تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاھور ـ پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/- روپے

موضوعات: خدا کی ذات وصفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیروشر۔ جبرواختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۷۶/- روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۳۶/- روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/- روپے

○ تفہیمِ دین ۵۴/- روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیقِ حدیث وسنت۔ فلسفۂ دین۔ اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ - اچھرہ - لاہور ۵۴۶۰۰

فون - ۴۸۳۴۷۷

تدبر

سلسلہ نمبر ۴۱ - نومبر ۱۹۹۲ء - جمادی الاول ۱۴۱۳ھ

فہرست

تذکرہ وتبصرہ

آفات کا درس عبرت ــــــ امین احسن اصلاحی ۳

تدبرِ قرآن

تفسیر سورۂ یونس (۲) ــــــ خالد مسعود ۷

تدبرِ حدیث

ایمان کے اثرات ــــــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۱۵

فیصلوں میں عدل و انصاف کا لحاظ ــــــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۲۳

اسالیبِ قرآن

حذف (۲) ــــــ خالد مسعود ۳۲

مقالات

غزوۂ بدر (۲) ــــــ خالد مسعود ۳۶

تبصرۂ کتب

آسان ترجمہ قرآن مجید۔ ایک منٹ کا مدرسہ۔ مجالس مسیح الامت۔ خالد مسعود ۴۷

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر ———— ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
مطبع ———— المطبعۃ العربیّۃ لاہور
قیمت ۸/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

امین احسن اصلاحی

آفات کا درسِ عبرت

پچھلے دو مہینوں میں ہمارے ملک کے تین صوبوں——— پنجاب، سندھ اور سرحد——— اور آزاد کشمیر و شمالی علاقہ جات میں طوفانی بارشوں، سیلاب اور پہاڑی تودوں کے گرنے سے عظیم آفت آئی۔ ہمارے لئے، اگر ہم دیدہ عبرت رکھنے والے ہوتے تو، ان حوادث کے اندر بڑی نصیحتیں موجود تھیں لیکن افسوس ہے کہ ہمارا حال اس وقت وہی ہو چکا ہے جس کا ذکر قرآن مجید نے فرمایا کہ **وکاین من ایۃ فی السموات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (یوسف ۱۰۵)** یعنی آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جو لوگوں کو جھنجھوڑنے کے لئے ظاہر ہوتی رہتی ہیں لیکن لوگ ہیں کہ ان سے آنکھیں بند کئے گزر جاتے ہیں۔

ان قدرتی آفات سے جو جانی و مالی نقصان ملک کو پہنچا ہے اس کی مبالغہ آمیز رپورٹیں، جو اخبارات میں شائع ہوئی ہیں، اگر نظر انداز بھی کر دی جائیں، صرف سرکاری رپورٹوں ہی پر اکتفا کیا جائے جب بھی نقصانات کی تعداد ہوش اڑا دینے کے لئے کافی ہے۔ ان کے مطابق بیسیوں دیہات ناپید ہو گئے، تقریباً دو ہزار انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ سیلاب کے علاقوں میں تقریباً پینتیس ارب روپے کی املاک اور ہزار ہا مویشی پانی کی موجوں کی نذر ہو گئے۔ پچاس لاکھ ایکڑ رقبے پر کھڑی فصل کا پندرہ بیس فی صد حصہ تباہ ہو گیا اور لاکھوں انسان بے گھر ہو گئے۔ نقصانات کے اندازے مختلف ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی ہے اس کا صحیح اندازہ لگانا کسی کے بس میں نہیں۔

سیلاب اور بارشوں کا طوفان جیسا کچھ سخت تھا وہ تو تھا ہی، اس سے زیادہ قابل ماتم وہ حالت ہے جو اس قسم کے طوفان قیامت کے بعد بچ رہنے والوں کی ہے۔ تباہ کاریوں کی وحشت ناک خبریں برابر آ رہی ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے اوپر زندگی کا مادہ پرستانہ نقطہ نظر اتنا غالب ہو چکا ہے کہ قدرت کی سخت سے

سخت تنبیہہ بھی ہمیں خواب غفلت سے جگانے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ ہم میں سے اکثر لوگ تو اس قسم کے حوادث کو صرف اتفاق پر محمول کرکے گذر جاتے ہیں' اس کے اسباب وعلل کی کرید میں پڑنے کی وہ ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور اگر کچھ لوگ اس کرید میں پڑنے کی زحمت اٹھاتے بھی ہیں تو ان کی نگاہ اس سے آگے نہیں جاتی کہ محکمہ موسمیات نے بارشوں کی پیشنگوئی کرنے میں غفلت کی' فلاں احتیاطی تدبیر اختیار کرنے میں حکومت نے سستی کی' فلاں دریا کا بند بروقت نہیں کھولا گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس پہلو کی طرف کسی کی نگاہ نہیں اٹھتی کہ اس کائنات کا کوئی خدا بھی ہے جس کو اس دنیا کے معاملات سے براہ راست تعلق ہے اور جو کچھ بھی یہاں ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے' اور نہ اس بات پر کوئی دھیان دیتا کہ یہ دنیا کوئی اندھیر نگری نہیں ہے کہ اس میں اتنے بڑے بڑے واقعات محض نظام قدرت کی مشین کی کسی خرابی سے بس یوں ہی پیش آ جائیں بلکہ ان کے سوتے خود ہمارے اپنے اخلاق واعمال کے اندر سے پھوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جھنجوڑنے اور اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لئے برابر ان کو چھوٹی بڑی آزمائشوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ یہ آزمائشیں کبھی کسی کو پیش آتی ہیں' کبھی کسی کو' لیکن قدرت کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس سے عبرت سب ہی حاصل کریں۔ وہ بھی جو اس ابتلاء کی زد میں آئے اور وہ بھی جو اس سے محفوظ رہے۔ بلکہ جو محفوظ رہے ان پر دہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے' ایک عبرت حاصل کرنے کی اور دوسری شکر گزاری کی کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان کو اس آفت سے محفوظ رکھا۔ ان دونوں باتوں کا تقاضا ایک تو یہ ہوتا ہے کہ یہ توبہ اور اصلاح کریں اور دوسرا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی ایسی فیاضی اور ہمدردی کے ساتھ امداد کریں کہ اس شکر گزاری کا حق ادا ہو جائے جو اس آفت سے محفوظ رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے ان پر عائد ہوتا ہے۔

جو لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا ان کو خدا کی طرف سے سمجھنے کی بجائے ان کو محض اتفاق اور غلط منصوبہ بندی پر محمول کرتے ہیں' یا ان کی علت اپنے اعمال واخلاق کے اندر ڈھونڈنے کی بجائے ان کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالتے ہیں' یا اپنے آپ کو ان کا سزاوار سمجھنے کے بجائے اس چیز کو قدرت کا ایک ظلم سمجھتے ہیں' یا اس کو استحصال کا یا سیاسی پروپیگنڈے کا ذریعہ بناتے ہیں' ان لوگوں کو قرآن قسی القلب اور سنگ دل قرار دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے' یہاں تک کہ جب ان کے اندر خدا کی تنبیہات سے فائدہ اٹھانے اور توبہ واصلاح کی صلاحیت بالکل مردہ ہو جاتی ہے تو وہ ان کو اپنے اس عذاب میں پکڑتا ہے جو ان کی کمر توڑ کے رکھ دیتا ہے اور جس سے نجات دینے والی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ اس عذاب کے بعد اس قوم کی قومی ہستی بالکل فنا ہو جاتی ہے اور خدا کا وہ قانون نمودار ہو جاتا ہے جو اس نے ایک قوم کو دوسری

قوم سے بدل دینے کے لئے بنایا ہے۔

اس طرح کے عظیم واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے معاملہ میں مسلمانوں کو بالعموم اور ان کے ذمہ داروں اور لیڈروں کو بالخصوص جس درجہ حساس' زیرک' خداترس اور بیدار مغز ہونا چاہئے اس کی بہترین مثال ہم کو حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی میں ملتی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا جس کا ذکر تاریخوں میں "عام الرمادہ" کے نام سے ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس قحط کے دنوں میں قحط زدوں کی امداد کے لئے اپنے رات دن ایک کر دیئے' ایک ایک دروازے اور ایک ایک جھونپڑے پر پہنچتے اور لوگوں کی مشکلات بنفس نفیس حل کرتے۔ راتوں کو گشت کرتے اور اگر کسی گھر میں بھوک سے بلکنے والے بچوں کی آواز سن پاتے تو خود اپنی کمر پر آٹے کی بوری لاد کر اور ہاتھ میں روغن کا ٹین لٹکائے ہوئے وہاں جا پہنچتے' خود چولہا پھونکتے اور جب تک بھوکے آسودہ نہ ہو جاتے اس وقت تک وہاں سے نکلنے کا نام نہ لیتے۔ بھوکوں کے احساسات سے قریب تر رہنے کے لئے گھر کے اندر کھانا کھانا انہوں نے چھوڑ دیا۔ پورے زمانہ قحط میں اپنے اوپر یہ پابندی عائد کئے رکھی کہ نہ دودھ استعمال کریں گے' نہ گھی اور نہ کوئی دوسری لذیذ چیز۔ ایک دن اسی دوران میں اپنے کسی چھوٹے بچے کے ہاتھ میں خربوزے کی ایک پھانک دیکھ لی' دیکھتے ہی اس کے پیچھے بھاگے کہ "برخوردار! تم خربوزے اڑا رہے ہو اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قحط سے تباہ ہو رہی ہے۔" انتظامیہ کی سرگرمیوں کا اندازہ خود خلیفہ کی سرگرمیوں سے کر لیجئے۔ ان کا ایک ایک عامل اور ایک ایک گورنر انہیں کی طرح قحط کو شکست دینے کے لئے اپنی پوری قوت سے میدان میں اتر آیا۔ ان کے عراق کے گورنر نے ان کو لکھا کہ "امیرالمومنین! آپ قحط کے حالات سے پریشان نہ ہوں' میں غلہ کے اونٹوں کا جو قافلہ بھیج رہا ہوں اس کی قطار کا اگلا اونٹ مدینہ میں ہو گا اور اس کا آخری اونٹ عراق میں۔"

اس سرگرمی اور اس اہتمام وانتظام کے باوجود اب آیئے یہ دیکھئے کہ اس ابتلا سے متعلق' اور خود اپنی ذات سے متعلق' ان کے احساسات کیا تھے؟ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ راتوں کی تنہائی میں جب ذرا فرصت ملتی تو رو رو کر اپنی داڑھی تر کر لیتے اور توبہ واستغفار کے ساتھ اپنے رب سے یہ دعا کرتے کہ "اے پروردگار' امت محمد میرے ہاتھوں تباہ نہ ہو"۔ اللہ اکبر! اس تدبر' اس انتظام اور اس طرح جان لڑا دینے کے بعد تواضع' خشیت اور تصور خدمت کے احساس کا یہ عالم تھا کہ ڈرتے تھے اور روتے تھے کہ کہیں یہ ابتلا میری اپنی ہی کوتاہیوں کا نتیجہ نہ ہو۔

اس تمام گذارش سے ہمارا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ پاکستان میں یہ جو کچھ پیش آیا ہے یہ اتفاقی حوادث نہیں ہیں۔ اس دنیا میں کوئی چھوٹا سے چھوٹا واقعہ بھی اتفاق سے پیش نہیں آتا چہ جائیکہ یہ قیامت صغریٰ جس سے ہزاروں مربع میل کا رقبہ تہس نہس ہو کر رہ گیا۔ بلکہ یہ قدرت کی طرف سے ہمارے لئے

ایک بہت بڑی تنبیہہ ہے تاکہ ہم اس خدا کی طرف رجوع کریں جس نے اپنے فضل سے ہمیں ایک خطہ زمین بخشا کہ ہم اس میں اس کی شریعت نافذ کریں لیکن ہم بدستور خدا اور اس کے دین کے ساتھ مذاق کرتے چلے جا رہے ہیں۔ گزشتہ دو تین مہینوں سے تو بالخصوص حکومتی پارٹی اور حزب اختلاف دونوں جانب سے دین کے خلاف جیسے مہم چلائی جا رہی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم نے اس تنبیہہ سے صحیح سبق حاصل نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ہم اس سے بھی زیادہ کسی سخت ابتلاء میں ڈالے جائیں۔ اس تنبیہہ کے مخاطب صرف عوام ہی نہیں ہیں بلکہ اس قوم کے خواص و اکابر اور زعماء و علماء اور ارباب اقتدار عوام سے بھی زیادہ ہیں اس لئے کہ جن خرابیوں کے نتیجہ میں اس طرح کے حوادث ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی اصلاح کی اصلی ذمہ داری چھوٹوں سے زیادہ بڑوں پر ہوتی ہے۔

اس قسم کے طوفانوں کا سدباب محکمہ موسمیات کی پیشینگوئیوں' حفاظتی بندوں اور سائنس کی پیش بندیوں' فوج اور پولیس کی کار فرمائیوں اور ترقی یافتہ ممالک کی رہنمائیوں سے نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی طاقت یا کوئی سائنس اللہ کے مقابل میں کھڑی نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی تدبیر اس کی پکڑ سے بچا سکتی۔ یہ سب کیجئے اور زیادہ سے زیادہ کیجئے' اس لئے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اس میں اسباب سے گریز ممکن نہیں ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اسباب کی تا بہ مقدور فراہمی کی ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن اس غلط فہمی میں کبھی نہ پڑیے کہ اسباب کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار خدا کے مقابل میں بھی کام آ سکتی ہے۔ خدا سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو صرف سچی توبہ ہی بچا سکتی ہے۔ وہ توبہ جس کے ساتھ اصلاح حال کا سچا اور پکا ارادہ ہو۔ اور چونکہ یہ حوادث ہمارے اجتماعی فساد حال کی علامت ہیں' اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہم من حیث القوم اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے اپنی انفرادی و اجتماعی دونوں ہی قسم کی نافرمانیوں کی معافی مانگیں اور آئندہ سے اس راستہ پر چلنے کا عزم کریں جو خدا نے بتایا ہے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورۃ یونس (۲)

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات واقعی ہے؟ کہہ دو کہ ہاں میرے رب کی قسم یہ شدنی ہے اور تم قابو سے باہر نہیں نکل سکو گے○ اور ہر جان' جس نے ظلم کا ارتکاب کیا' اگر اس کو مل جائے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے تو وہ اس کو فدیہ میں دے دینا چاہے گی اور وہ پشیمان ہوں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا[٣١]۔ اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا○ سن رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ سن رکھو کہ اللہ کا وعدہ شدنی ہے' لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے○ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے○ ۵٦

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت' سینوں کے امراض کی شفا[٣٢] اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت آ گئی ہے○ کہہ دو کہ یہ اللہ کے فضل و رحمت کا کرشمہ ہے تو چاہیے کہ اس پر شاداں ہوں' یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں○ ۵۸

ان سے کہو' بتاؤ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو' کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو○ جو

٣١۔ اس میں یہ بات شامل ہے کہ انہوں نے اپنے مزعومہ شرکاء و شفعاء سے جو امیدیں باندھ رکھی ہیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گی۔ کوئی چیز خدا کے انصاف پر اثر انداز نہ ہو سکے گی۔

٣٢۔ یعنی دلوں کو جو روگ لگتے ہیں جن کے سبب سے انسان تمام انسانی اوصاف کھو کر حیوانات سے بدتر بن جاتا ہے قرآن میں ان سب روگوں کا علاج موجود ہے۔

لوگ اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں ان کا قیامت کے دن کیا گمان ہے ۳۳۔ ؟ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے○ ۶۰

اور تم جس حال میں بھی ہوتے ہو ۳۴۔ اور کتاب میں سے جو حصہ بھی سنا رہے ہوتے ہو اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو تو ہم جس وقت تم اس میں مشغول ہوتے ہو' تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں اور تیرے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں' نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی' مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے○ سن لو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے○ یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے ۳۵۔ ○ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے○ اور تم کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے۔ عزت تمام اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سمیع و علیم ہے○ ۶۵

سن رکھو کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے ہیں اور جو لوگ اللہ کے ماسوا کو پکارتے ہیں یہ شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے بلکہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور انکل کے تیر تکے چلاتے ہیں○ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پر سکون بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں معاش کے لئے جدوجہد کرو۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں ۳۶۔ جو بات کو سنتے ہیں○ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ

۳۳۔ یہاں سوال کا جواب نہیں دیا جو متکلم کے انتہائی غضب کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شامت زدہ لوگ اللہ پر جھوٹ لگانے کو کوئی معمولی بات سمجھے بیٹھے ہیں۔ قیامت آئے گی تو پتہ چلے گا کہ اس جسارت کی ان کو کیا سزا ملتی ہے۔

۳۴۔ یہ خطاب پیغمبرؐ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے تسلی اور بشارت کے طور پر ہے۔

۳۵۔ مراد یہ ہے کہ یہی گروہ اللہ کے دوستوں کا گروہ ہے۔ اللہ کی دوستی کا مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو ایمان کے ساتھ حدود الٰہی کی حفاظت پر قائم و دائم رہتے ہیں۔

۳۶۔ رات اور دن میں ضدین کی نسبت ہے لیکن دونوں مل کر انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ایک بالا تر اور حکیم ارادہ ان پر حاوی ہو اور ان میں رابطہ و تعلق پیدا کر کے اس کو اپنی حکمت کے تحت چلا رہا ہو۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کائنات کے ہر گوشے میں عظیم قدرت' حیرت انگیز

ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے ۳۷۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے○ کہہ دو' جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کے لئے بس دنیا میں چند روزہ فائدہ اٹھا لینا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہو گی' پھر ہم ان کے کفر کی پاداش میں ان کو سخت عذاب چکھائیں گے○ ۷۰

اور ان کو نوح کی سرگزشت پڑھ کر سناؤ ۳۸۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو' اگر تم پر تمہارے اندر میرا ٹکنا اور اللہ کی آیات کی یاددہانی کرنا گراں ہو گیا ہے تو میں نے بس اللہ پر بھروسہ کیا۔ تم اپنی رائے مجتمع کر لو اور اپنے شرکاء کو بھی ملا لو' پھر تمہارے فیصلہ میں کوئی تذبذب باقی نہ رہے اور میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ۳۹۔ ○ پس اگر تم اعراض کرو گے تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا ہے۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی پر ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے بنوں○ تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تو ہم نے اس کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو حکمت اور گہری مصلحت پائی جاتی ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا کسی عظیم غایت تک پہنچے۔ یہ غایت بغیر اس کے پوری نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے بعد آخرت کو تسلیم کیا جائے۔ کائنات کا نظام ربوبیت بھی اس کے ہر گوشے میں جلوہ گر ہے جو انسان کی مسئولیت کو مقتضی ہے اور جزا و سزا کی دلیل ہے۔

۳۷۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ فرمایا کہ اولاد آدمی کی ضرورت ہے' خدا کی نہیں۔ خدا تمام ضروریات و حالات سے بالا و برتر اور بے نیاز ہے۔

۳۸۔ اوپر جن حقائق کو عقل و فطرت کے دلائل سے مبرہن کیا گیا ہے آگے رسولوں کی تاریخ کی روشنی میں انہی کو واضح کیا گیا ہے تاکہ یہ پیغمبرؐ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے سرمایۂ تسکین ہو۔

۳۹۔ حضرت نوحؑ کا یہ قول دعوت کے اس مرحلہ کا ہے جب وہ اپنی قوم پر اتمام حجت کر چکے اور ان کے مخالفین دعوت سے بالکل تنگ آ گئے۔ فرمایا کہ تم اپنے معبودوں کی شراکت سے میرے باب میں اجتماعی طور پر ایک قطعی فیصلہ کر لو اور کسی تردد و تذبذب کے بغیر مجھ پر اقدام کرو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا۔

ہوشیار کیا جا چکا تھا ○ ۷۳

پھر ہم نے اس کے بعد رسول بھیجے ان کی اپنی قوموں کی طرف تو وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ اس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حدود سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا ۴۰۔ کرتے ہیں ○ ۷۴

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ○ موسیٰؑ نے کہا کہ کیا تم حق کو سحر کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے۔ بھلا یہ سحر ہے؟ اور ساحر کبھی فلاح نہیں پاتے ۴۱۔ ○ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور ملک میں سیادت تم دونوں کو حاصل ہو جائے؟ اور ہم تو تم دونوں کی بات کبھی ماننے والے نہیں ۴۲۔ ○ اور فرعون نے حکم دیا کہ میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو حاضر کرو ○ تو جب جادوگر آئے موسیٰؑ نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں پیش کرنا ہے اس کو پیش کرو ○ تو جب انہوں نے پیش کیا موسیٰؑ نے کہا یہ جو کچھ تم لائے ہو، یہ جادو ہے۔ بے شک اللہ اس کو نیست کر دے گا، اللہ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا ○ اور اللہ مجرموں کے علی الرغم اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرتا ہے ۴۳۔ ○ تو موسیٰؑ کی بات نہ مانی مگر اس کی قوم کے تھوڑے سے

۴۰۔ یعنی جو لوگ خدا کے مقرر کئے ہوئے تمام حدود توڑ تاڑ کے رکھ دیتے ہیں ان کو رسول کے انذار سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اتمام حجت کے بعد ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔

۴۱۔ یعنی ساحر کبھی کسی پائیدار کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتے۔ ان کے کرشموں اور شعبدوں کی چمک دمک عارضی ہوتی ہے۔ جب وہ حق کے مقابل میں آتے ہیں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ٹک نہیں سکتے۔ جب تم ان کو معجزے کے مقابل میں لاؤ گے تو کھل جائے گا کہ رسول کے معجزے اور ساحر کے سحر میں کیا فرق ہوتا ہے۔

۴۲۔ یہ اپنی قوم کو حضرت موسیٰؑ کے خلاف بھڑکانے کے لئے شوشہ چھوڑا گیا کہ یہ ملک میں اقتدار حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تاکہ قبطی عصبیت پوری طرح ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔

۴۳۔ یعنی مصلحین جو حق لے کر اٹھتے ہیں ان کے مقابل میں مفسدین کی مفسدانہ کوششیں کبھی بار آور نہیں ہوتیں۔ امتحان و آزمائش کا مرحلہ گزرنے کے بعد غلبہ بالآخر حق ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

نوجوانوں نے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے بڑوں سے کہ مبادا وہ ان کو کسی فتنہ میں ڈال دے ۴۴۔ بے شک فرعون ملک میں نہایت سرکش اور حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا ○ اور موسیٰؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر چکے ہو ○ وہ بولے کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے ظلم کا آماجگاہ نہ بنا ۴۵۔ ○ اور ہمیں اپنے فضل سے کافروں کے پنجۂ ستم سے چھڑا ○ ۸۶

اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں کچھ گھر ٹھہرا لو اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز کا اہتمام کرو ۴۶۔ اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دے دو ○ اور موسیٰؑ نے دعا کی 'اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے اعیان کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور مال و اسباب سے بہرہ مند کیا' اے ہمارے رب کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بے راہ کریں' اے ہمارے رب' ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو بند کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب ۴۷۔ کو ○ فرمایا تمہاری دعا قبول ہوئی تو تم دونوں جمے رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کیجیو جو علم نہیں رکھتے ○ ۸۹

۴۴۔ حضرات انبیاءؑ کا ساتھ شروع شروع میں ہمیشہ نوجوانوں نے دیا ہے کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو روایات و رسوم سے مرعوب اور حالات و مصالح کی رعایت کا خوگر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو جب دعوت حق اپیل کرتی ہے تو وہ اس کی حمایت میں دنیوی عواقب سے بے پروا ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

۴۵۔ حضرت موسیٰؑ نے ان نوجوانوں کو ایمان باللہ کی حقیقت یہ سمجھائی کہ اس راہ میں کسی کا ڈر اور کسی کا لحاظ حائل نہیں ہونا چاہئے اور پیش آنے والی مشکلات میں خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی کہ اے رب ظالموں کو اتنی ڈھیل نہ دینا کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لئے ہم کو تختۂ مشق بنا لیں۔

۴۶۔ یہ صبر و توکل کے حصول کے لئے نماز باجماعت کے اہتمام کا حکم ہے۔ بنی اسرائیل کو اوقات نماز میں مخصوص گھروں میں جمع ہو کر نماز ادا کرنے کی ہدایت ہوئی اور اس عبوری دور میں حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے گھروں کو عارضی طور پر قبلہ کی حیثیت دی گئی۔

۴۷۔ رسول کے اتمام حجت کے بعد اگر کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو وہ قبول حق کی ادنیٰ صلاحیت سے بھی محروم ہوتی ہے۔ اگر وہ زمین پر باقی رہے تو دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے اندر سے کسی

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرادیا تو ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے فوجیوں نے سرکشی اور زیادتی سے۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کے لپیٹ میں آگیا بولا کہ میں ایمان لایا کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اس کے فرمانبرداروں میں بنتا ہوں ○ کیا اب! حالانکہ تم نے اس سے پہلے نافرمانی کی۴۸۔ اور تم فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے ○ پس آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بنے۴۹۔ اور بے شک بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہی رہتے ہیں ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کا ٹھکانہ دیا اور ان کو اچھا رزق بخشا اور انہوں نے نہیں اختلاف برپا کیا مگر اس وقت جب کہ ان کے پاس علم آگیا۵۰۔ تیرا رب ان چیزوں کے باب میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا ○ ۹۳

۵۱۔ پس اگر تم شک میں ہو اس چیز کے باب میں جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تو ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے کتاب پڑھتے آرہے ہیں۔ بے شک تم پر تمہارے رب کی طرف سے حق نازل ہوا ہے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو ○ اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو

خیر کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ انذار و تبلیغ کی ذمہ داری کماحقہ' ادا کرنے کے بعد رسول سرکشوں کی بربادی کے لئے دعا کرتا ہے کیونکہ شر محض کے دنیا میں باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

۴۸۔ یعنی اب مانے ہو جب ماننے کا وقت گزر چکا! ڈوبتے وقت فرعون کا اقرارِ توحید اس کی بے بسی کی کامل تصویر ہے لیکن اس مرحلہ پر ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

۴۹۔ قدرت کے انتقام کی ایک نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ فرعون کی لاش کو سمندر نے ایک نشانِ عبرت بنانے کے لئے ساحل پر پھینک دیا۔ مصر میں لاشوں کو ممی کرکے محفوظ کرنے کا رواج تھا' چنانچہ اس لاش کو بھی محفوظ کرلیا گیا تاکہ ہر زمانے کے فرعون اس سے عبرت پکڑیں۔

۵۰۔ یعنی یہود نے اللہ تعالیٰ کے اتنے عظیم احسانات کے بعد دین و شریعت کے اندر طرح طرح کے اختلافات پیدا کرکے پائی ہوئی حقیقت گم کردی۔ اس کا سارا الزام خود اس قوم کے کندھوں پر ہے۔

۵۱۔ یہاں سے آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی اور دینِ کفر و شرک سے آخری برائت و بیزاری کا اعلان ہے۔

جیو جنھوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی کہ تم بھی نامرادوں میں سے ہو جاؤ۵۲۔ ○ بے شک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات پوری ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ○ خواہ ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ○ پس کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی کہ اس کا ایمان اس کو نفع دیتا بجز یونس کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو دور کردیا۵۳۔ اور ایک وقت تک ان کو کھانے برتنے کا موقع دیا ○ ۹۸

اور اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں سب ایمان قبول کرلیتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں ○ اور کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لا سکے' مگر اللہ کے اذن سے۔ اور وہ گندگی لاد دیا کرتا ہے ۵۴۔ ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے ○ ۱۰۰

ان سے کہو' آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اس کو دیکھو اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو کچھ نفع نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۵۵۔ ○ یہ تو بس اس طرح کے دن کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کے دن لوگوں کو پیش آئے جو ان سے پہلے گزرے۔ کہہ دو' انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ پھر ہم نجات دے دیتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو اور ایمان لانے والوں کو۔ ایسے ہی ہم پر حق ہے' ہم مومنوں کو نجات دیں گے ○ ۱۰۳

۵۲۔ سورج کی طرح واضح حق کی مخالفت پر بھی اگر سارے ہی لوگ ایکا کرلیں تو ایک نیک نیت اور راستباز آدمی کے دل میں بھی تردد پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضورؐ کو اس قسم کے تردد سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ تنبیہہ فرمائی۔ خطاب کا رخ اگرچہ پیغمبرؐ کی طرف ہے لیکن عتاب کا رخ مکذبین کی طرف ہے۔

۵۳۔ یعنی لوگ اللہ کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا چاہتے ہیں حالانکہ اس وقت ایمان لانا بے سود ہو جاتا ہے۔ صرف قوم یونس وہ قوم تھی جو عذاب کی گھڑی کے ظہور سے پہلے پہلے چونکی ہو گئی اور ان کے ایمان نے ان کو نفع پہنچایا۔

۵۴۔ یعنی جو لوگ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے ان کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی نجاست مسلط کر دیتا ہے جو ان کو بالکل اندھا بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔

۵۵۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں حقیقت تک پہنچنے کے لئے نشانیوں کی کمی نہیں۔ ان سے نفع

کہہ دو، اے لوگو! اگر تم میرے دین کے باب میں شک میں ہو تو سن لو کہ میں ان کو نہیں پوجتا جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بلکہ میں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے بنوں ○ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر اطاعت کی طرف کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو ○ اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع پہنچا تیں نہ نقصان، اگر تم ایسا کرو گے تو بیشک تم ظالموں میں سے بن جاؤ گے ۵۶ ○ اور اگر اللہ تمہیں کسی تکلیف میں پکڑے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے اور اگر وہ تمہارے لئے کوئی بھلائی چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، وہ اس سے نوازتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ۵۷ ○ ۱۰۷

کہہ دو، اے لوگو، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی لئے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کا وبال اسی پر آئے گا۔ اور میں تمہارے ایمان کا ذمہ دار نہیں ہوں ۵۸ ○ اور تم پیروی کرو اس چیز کی جو تم پر وحی کی جاتی ہے اور ثابت قدم رہو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے ۵۹۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ○ ۱۰۹

اٹھانے کا ارادہ ہونا چاہئے۔

۵۶۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دو ٹوک الفاظ میں عقیدہ توحید کا اعلان کرایا ہے تاکہ کفار کے ذہن کے کسی گوشے میں اگر کوئی طمع خام اس قسم کا ہو کہ دباؤ ڈال کر آپ کو کچھ نرم کیا جا سکتا ہے تو وہ اس کو اپنے ذہن سے نکال دیں اور سمجھوتے کی توقع سے مایوس ہو کر جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں کر گزریں۔

۵۷۔ یہ اعلان ان تمام تصورات کی نفی کے لئے ہے جن کی بنا پر مشرکین شرکاء و شفعاء کو پوجتے تھے۔ جب خدا یہ سب اختیار رکھتا ہے اور خود مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے تو بندے اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لیں۔ دوسروں کا سہارا کیوں ڈھونڈیں؟

۵۸۔ یہاں روئے سخن قریش ہی کی طرف ہے جن کو آخری دفعہ جھنجھوڑا ہے کہ ان کے بھٹکنے کا وبال انہیں کے سر آئے گا۔ کسی دوسرے کے سر نہیں جائے گا۔

۵۹۔ مراد وہ فیصلہ ہے جس کا ذکر آیت ۱۰۳ میں ہوا ہے کہ انجامِ کار اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو کامیابی عطا فرماتا اور ان کے مخالفین کو رسوا و نامراد کر دیتا ہے۔

بقیہ بر صفحہ ۳۱ پر

امین احسن اصلاحی

ایمان کے اثرات

(صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی روایات)

باب ۳۳ ۔ زیادۃ الایمان ونقصانہ

وقول اللہ تعالیٰ وزدنھم ھدی ویزداد الذین امنوا ایمانا وقال الیوم اکملت لکم دینکم، فاذا ترک شیئا من الکمال فھو ناقص

ترجمہ .... ایمان میں زیادتی اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا حوالہ کہ "ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کی" اور "اللہ تعالیٰ زیادہ کرے گا ایمان والوں کے ایمان میں" اور "اب میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا"۔ ظاہر ہے کہ جب کمال میں سے کچھ چھوڑا جائے گا تو وہ چیز ناقص ہو گی۔

۴۲ ۔ حدثنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا ھشام قال حدثنا قتادہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ وفی قلبہ وزن شعیرۃ من خیر ویخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ وفی قلبہ وزن برۃ من خیر ویخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ وفی قلبہ وزن ذرۃ من خیر قال ابو عبد اللہ قال ابان حدثنا قتادۃ حدثنا انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان مکان خیر۔

ترجمہ .... حضرت انسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا وہ شخص جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی نیکی ہے، اور دوزخ سے نکال لیا جائے گا وہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہے، اور دوزخ سے نکالا جائے گا اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں ذرہ بھر بھی بھلائی کا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ابان کے واسطہ سے اس روایت میں خیر کی بجائے ایمان کا لفظ آیا ہے۔

وضاحت .... اس روایت کا مفہوم تو واضح ہے کہ یہ ہر اس شخص کے دوزخ سے نکالے جانے کی خبر دیتی ہے جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اور اس کے دل میں ایمان یا نیکی کی معمولی سے معمولی مقدار بھی موجود تھی۔ لیکن یہ مفہوم لینے میں بڑی دشواری ہے۔ اس روایت کی بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے کہ دوزخ میں داخل کئے جانے کے بعد کسی مجرم کو اس میں سے نکالا بھی جائے گا۔ قرآن میں خلود فی النار کا ذکر بڑے محکم الفاظ میں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس مجرم کی شامت اعمال اس کو دوزخ میں ڈلوا دے گی وہ کبھی اس سے نکل نہیں پائے گا۔ اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو گی۔ بعض صوفیوں نے اگر دعویٰ کیا ہے تو اس بات کا کہ ایک دن دوزخ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ٹھنڈی ہونے کے بعد کیا بنے گا وہ میرے خیال میں ان صوفیوں کے بیان کے مطابق بھی بہت مایوس کن ہے۔

لیکن میں قرآن مجید میں اس بات کا بھی کوئی اشارہ نہیں پاتا۔ اس روایت کی دوسری مشکل یہ ہے کہ بھلائی یا ایمان کا کوئی ذرہ خدا کی میزان سے بچ کیسے گیا ہو گا کہ اس کو بعد میں نکال لیا جائے گا۔ جنت اور دوزخ میں داخل کرنے کا فارمولا جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے **"فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ وما ادراک ماھیہ نار حامیۃ"** (تو جس کے پلے بھاری ہوں گے وہ تو دل پسند عیش میں ہو گا اور جس کے پلے ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانا کھڈ ہو گا اور تم کیا سمجھے کہ وہ کیا ہے! دہکتی آگ!)

سورہ زلزال میں بھی صاف طور پر آیا ہے کہ **من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** (پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھے گا۔)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس نظام میں کوئی ایسا رخنہ ہو گا کہ جو یا گندم کے دانے کے برابر کوئی نیکی چھپی رہ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے نامہ اعمال میں نیکی کا ذرہ اتنا قیمتی تھا جو دوزخ سے اس کے نکالے جانے کا سبب بن سکتا تھا تو ایسا شخص دوزخ میں ڈالا ہی کیوں جائے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے اس کا علم نہ تھا جو اس کو دوزخ میں ڈال دیا۔ کسی کو دوزخ میں ڈال دینا اور پھر ذرہ برابر نیکی کے بدلے نکال لینا اللہ تعالیٰ کے علم، عدل اور حکمت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کو برائیوں کی سزا دینے کے لئے کچھ عرصہ جہنم میں رکھ کر پاک کر کے نکال لے گا تو اس بات کا قرآن مجید میں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس طرح کا عقیدہ یہود کے ہاں پایا جاتا ہے اور قرآن نے اس کا حوالہ دے کر اس کی دوٹوک انداز میں تردید کی ہے۔ قرآن کی تردید کے باوجود یہ روایت اس عقیدے کی تصدیق کرتی

ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک بات سمجھنے یا روایت کرنے میں کسی راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ اللہ کے رسول وحی الٰہی کے متناقض کوئی بات نہیں کیا کرتے۔

معلوم ہوتا ہے لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ نیکی کوئی مفرد چیز ہے۔ آدمی کے ماحول اور طبیعت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے اندر اگر کوئی نیکی موجود ہوتی ہے لیکن مجموعی طور پر اس کا مزاج فاسد اور اعمال فاسد ہوتے ہیں تو وہ نیکی اس کے اندر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ باقی رہ سکتی نہ پروان چڑھ سکتی۔ قرآن مجید نے برائیوں کے متعلق چھوٹی یا بڑی برائی کی قید کے بغیر یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے تو وہ برائی اس کا احاطہ کر لیتی ہے یعنی وہ اس پر اتنی حاوی ہو جاتی ہے کہ اس کے اندر نیکی کی کوئی رمق باقی نہیں رہ جاتی۔ ایسا شخص ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پڑے رہنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ماننا صحیح نہیں ہے کہ برے سے برے آدمی کے اندر بھی نیکی کے کچھ ذرات باقی رہ جاتے ہیں۔ نیکی کے سب ذرات اس کی بدیوں کے اندر دب کر بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی کو قرآن مجید نے آیت **احاطت بہ خطیئتہ** (اس کی برائیاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں) میں احاطہ سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر آدمی کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی اوڑھنا بچھونا بنا لے گا تو وہ اس رائی کو پہاڑ بنا لے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ گناہ کبیرہ ہی ہو۔ اسی لئے متقین کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے آل عمران ۱۳۵ میں فرمایا کہ **لم یصروا علی ما فعلوا و ھم یعلمون** (کہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے) قرآن میں اس شرط کے ہوتے ہوئے یہ بات ماننا بجائے خود غلط ہے کہ برے آدمی کے اندر نیکی کے ذرات رہ جاتے ہیں جو اس کے دوزخ سے نکالے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

۲۳ ۔ حدثنا الحسن بن الصباح سمع جعفر بن عون حدثنا ابو العمیس اخبرنا قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من الیہود قال لہ یا امیر المومنین ایۃ فی کتابکم تقرئونھا لو علینا معشر الیہود نزلت لا تخذنا ذالک الیوم عیدا قال ای ایۃ قال الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا قال عمر قد عرفنا ذالک الیوم و المکان الذی نزلت فیہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھو قائم بعرفۃ یوم جمعۃ۔

ترجمہ .... طارق بن شہاب حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ایسی ہے جس کو آپ پڑھتے ہو، اگر وہ یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ نے فرمایا کونسی آیت۔ اس نے کہا **"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ----**

الخ (۵:۳)" (اب میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے اور وہ جگہ بھی جس میں یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ سلم پر اتری۔ آپؐ اس وقت عرفات میں مقیم تھے اور جمعہ کا دن تھا۔

وضاحت .... اس روایت کا تعلق بھی ایمان میں کمی اور زیادتی کے باب سے ہے۔ باریکی کی بات یہ ہے کہ آیت اکملت لکم دینکم میں دین کی تکمیل کی خبر خود یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس میں پہلے کوئی کمی تھی جس کو اب دور کر دیا گیا۔ روایت کا باب کے ساتھ صرف یہی تعلق ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہودی کی بات کا بڑا حکیمانہ اور لطیف جواب دیا کہ جناب ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ یہ عرفات میں نازل ہوئی جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عید تو پہلے سے بنی ہوئی ہے۔ حج میں جہاں اور ہزاروں برکتیں ہیں وہاں یہ عید بھی منائی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ فرما کر یہودی کو لاجواب کر دیا۔

آیت میں الیوم کا جو لفظ آیا ہے اس کو بعض لوگ آج کے معنی میں لیتے ہیں لیکن الیوم صرف آج ہی کے معنی میں نہیں آتا۔ "اب" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گویا آیت کا مطلب ہے کہ اب دین تمہارے لئے مکمل کر دیا گیا ہے۔ یعنی مراد ایک خاص دن نہیں بلکہ وہ وقت اور زمانہ ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بارے میں اگر کسی کی تاویل مختلف ہو تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

باب ۳۴۔ الزکوۃ من الاسلام وقولہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکوۃ وذالک دین القیمۃ۔

ترجمہ ---- زکوۃ اسلام کا تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے (سورہ بینہ ۵:۹۸) کہ ان (اہل کتاب) کو حکم یہی ہوا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں' اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ' بالکل یکسو ہو کر اور نماز کا اہتمام رکھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔

وضاحت۔ یہ باب بھی مرجیۂ کے رد میں ہے کہ اسلام صرف عقیدے کا نام نہیں بلکہ اس کے عملی تقاضے ہیں جن میں نماز اور زکوۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی جو آیت امام بخاریؒ نے نقل کی ہے وہ بالکل بے محل ہے۔ اس آیت کے مخاطب اہل کتاب ہیں جنہوں نے نماز اور زکوۃ کو ضائع کر دیا اگرچہ ان کو ان باتوں کی تاکید کی گئی تھی' جیسا کہ باب ۳۰ روایت ۳۹ میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

۴۴ ۔ حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک ابن انس عن عمہ ابی سھیل بن مالک عن ابیہ انہ سمع طلحۃ بن عبید اللہ یقول جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اھل نجد ثائر الراس نسمع

دوی صوتہ ولا نفقہ ما یقول حتی دنا فاذا ھو یسئل عن الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوت فی الیوم واللیلۃ فقال ھل علی غیرھا قال لا الا ان تطوع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیام رمضان قال ھل علی غیرہ قال لا الا ان تطوع قال وذکر لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکوۃ قال ھل علی غیرھا قال لا الا ان تطوع قال فادبر الرجل وھو یقول واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلح ان صدق۔

ترجمہ .... مالک بن ابی عامر نے طلحہ بن عبید اللہ سے سنا کہ نجد کے لوگوں میں سے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس کے سر کے بال پریشان تھے اور اس کی کمزور آواز تو ہم سنتے تھے لیکن اس کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں ادا کرنی ہیں۔ اس نے کہا ان کے علاوہ اور تو نہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم نفل پڑھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنا ہیں۔ اس نے کہا کہ ان کے علاوہ اور تو نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں مگر یہ کہ تم نفل روزے رکھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ زکوۃ ادا کرنی ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے علاوہ اور تو نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں مگر یہ کہ تم خیرات کرو۔ طلحہؓ کہتے ہیں کہ وہ شخص یہ کہتے ہوئے پلٹ کر چلا کہ اللہ کی قسم میں اس پر زیادہ کروں گا نہ کم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہو گیا۔

وضاحت۔ روایت میں زکوۃ کے علاوہ دوسرے ارکان اسلام۔ نماز اور رمضان کے روزے۔ بھی ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ نے یہ روایت باب "الزکواۃ من الاسلام" کے تحت یہاں نقل کی ہے۔ انہوں نے کتاب الزکوۃ میں بھی یہ روایت لی ہے لیکن وہاں راوی اور کچھ الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

یہ روایت بڑی اہم ہے اور اسلام کا جو کم سے کم مطالبہ ایک مسلمان سے ہے اس کو واضح کرتی ہے۔ اس میں ارکان اسلام پر عمل کو اسلام کا لازمی تقاضا بتایا گیا ہے۔ اس پر کوئی شخص اضافہ کرنا چاہے تو وہ نفل کی شکل میں ہو گا۔ جو شخص ان ارکان پر صداقت سے عمل پیرا ہو اس کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

اس روایت میں حج اور جہاد کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حج تو صرف صاحب استطاعت پر واجب ہے اور جہاد ایک ہنگامی عمل ہے جو صرف نفیر عام کے وقت فرض ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو بیان نہیں کیا گیا۔

نجدی نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان فرائض پر نہ تو کچھ زیادہ کرے گا اور نہ ہی کمی کرے گا' جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ آدمی اپنے قول میں سچا ہے یعنی یہ فرائض دیانتداری سے ادا کرتا رہے گا تو کامیاب و بامراد رہے گا یعنی جنت میں داخل ہو گا۔

باب۳۵۔ اتباع الجنائز من الایمان

جنازے کے ساتھ جانا ایمان کا تقاضا ہے

۴۵۔ حدثنا احمد بن عبد اللہ بن علی المنجوفی قال حدثنا روح قال حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتبع جنازۃ مسلم ایمانا واحتسابا وکان معہ حتی یصلی علیہا ویفرغ من دفنہا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد ومن صلی علیہا ثم رجع قبل ان تدفن فانہ یرجع من الاجر بقیراط تابعہ عثمان المؤذن قال حدثنا عوف عن محمد عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ

ترجمہ۔۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایمان اور احتساب کے ساتھ جائے' اس کی نماز جنازہ میں ساتھ رہے اور اس کے دفن سے فارغ ہو کر لوٹے تو اس کو دو قیراط کا اجر ملے گا جب کہ ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔ اور جو صرف نماز جنازہ ادا کر کے دفن کرنے سے پہلے لوٹ آئے گا تو اس کا اجر ایک قیراط کے برابر ہو گا۔ اس روایت کی متابعت عثمان موذن نے کی ہے۔ اس کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی۔

وضاحت: اس روایت میں اصل اہمیت ایمان اور احتساب کو حاصل ہے۔ احتساب کا یہاں تقاضا یہ ہے کہ آدمی موت کو یاد کرے کہ ایک روز اس کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھے گا' پھر یوم حساب ہو گا اور اس کو اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا۔ نماز جنازہ اور تدفین کے تمام مراحل میں شامل ہو کر وہ اپنے انجام کو برابر یاد کرتا رہے۔ اگر یہ یاد دہانی اس کو اپنے محاسبہ کی اہمیت کا احساس دلا دے تو اس میں خیر ہی خیر ہے۔ قیراط چھوٹا بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا چھوٹا بڑا ہونا اسی ایمان اور احتساب کی نوعیت پر منحصر ہے۔ احتساب کا احساس جتنا قوی ہو گا اسی قدر قیراط بڑا ہو گا اور یہ بڑا ہو کر احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ ہر فرد کے احساس کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف ہو گی۔

باب ۳۶۔ خوف المومن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر وقال ابراھیم التیمی ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا وقال ابن ابی ملیکۃ ادرکت ثلثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخاف النفاق علی نفسہ ما منھم احد یقول انہ علی ایمان جبریل ومیکائیل ویذکر عن الحسن ما خافہ الا مومن ولا امنہ الا منافق وما یحذر من الاصرار علی التقاتل والعصیان من غیر توبۃ لقول اللہ تعالی ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون

ترجمہ۔۔۔۔ مومن کا ڈر کہ اس کے اعمال کہیں حبط نہ ہو جائیں اور اس کو خبر بھی نہ ہو۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے قول اور عمل کو ملا کر دیکھا تو مجھے خدشہ ہوا کہ میں کہیں جھوٹوں میں نہ شمار ہو جاؤں۔ اور ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ ان کو اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ میرا ایمان جبریل اور میکائیل جیسا ہے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے' منافق تو اس سے نڈر ہوتا ہے اور آپس کی لڑائی اور گناہ پر بغیر توبہ کے اڑے رہنے سے جو ڈرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جان بوجھ کر غلط کام پر اصرار نہیں کرتے۔

وضاحت: یہ باب کا عنوان ہے۔ اس میں کوئی حدیث یا اثر نہیں۔ اس میں ابراہیم تیمی کے ایک قول کا حوالہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کوئی واعظ یا خطیب تھے جو اپنے وعظ اور عمل کا برابر مقابلہ کرتے رہتے تھے تاکہ قول و عمل کے تضاد کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد ابن ابی ملیکہ کا ایک اندازہ بتایا ہے کہ انہوں نے کم و بیش تیس اصحاب رسولؐ ایسے پائے جو اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے۔ ایک مومن کے لئے نفاق سے ڈرتے رہنا ایک مستحسن چیز ہے۔ یہی بات دوسرے صحابہ سے بھی منقول ہے۔ مثلاً ایک صحابی نے کہا کہ ہماری حالت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوتی ہے وہ آپ سے الگ ہونے کے بعد نہیں رہتی۔ اس پر ان کو نفاق کا خدشہ ہوا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع فرما دیا۔

صحابہ کرام کا یہ کہنا کہ ہمارا ایمان جبرئیلؑ یا میکائیلؑ جیسا نہیں ہو سکتا اپنی جگہ پر درست ہے لیکن اس میں نفاق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمان صرف ایمان بالغیب کے مکلف ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو دیکھ کر' جو ان کے ارد گرد اور خود ان کے اندر موجود ہیں' اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں۔ اس کے برعکس فرشتوں کو حضوری حاصل ہے۔

حسن کی بات مبنی بر حقیقت ہے کہ مومن کو نفاق سے ڈرتے رہنا چاہئے اور منافق ہی اپنے نفاق پر

جری ہوتا ہے۔ عنوان کے آخر میں امام صاحب نے آیت کا حوالہ بے محل دیا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۵ مومنین کی اس خصوصیت کو بیان کرتی ہے کہ اگر وہ کوئی غلط اور ناروا کام کر بیٹھیں تو فوراً استغفار کرتے ہیں اور جان بوجھ کر کسی غلط کام پر اصرار نہیں کرتے۔

۳۶۔ حدثنا محمد بن عرعرة قال حدثنا شعبة عن زبيد قال سألت ابا وائل عن المرجئة فقال حدثني عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتاله كفر۔

ترجمہ ـــــ شعبہ زبید سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے مرجئہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

وضاحت: یہ روایت بھی مرجئہ کے رد میں ہے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ اصل چیز عقیدہ ہے، عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان کے نزدیک گناہ کا ارتکاب کرنے سے آدمی فاسق نہیں ہو جاتا۔ روایت میں اس عقیدہ کا رد ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ مسلمان کو گالی دینے سے آدمی فسق کا اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے سے کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ خالی ایمان کا عقیدہ اسے گناہوں اور ان کے نتائج سے بچا نہیں سکتا جب تک توبہ استغفار اور اصلاح نہ کرلے۔ اس روایت کا باب سے تعلق میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۳۷۔ حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا اسمعيل بن جعفر عن حميد عن انس قال اخبرني عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يخبر بليلة القدر فتلاحى فلان وفلان فرفعت وعسى ان يكون خيرا لكم فالتمسوها في السبع والتسع والخمس۔

ترجمہ ـــــ عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کے متعلق خبر دینے کے لئے نکلے۔ اتنے میں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نکلا تھا کہ آپ لوگوں کو خبر دوں کہ شب قدر کب ہوتی ہے۔ لیکن فلاں فلاں آدمی آپس میں لڑ پڑے تو اس کا علم مجھ سے اٹھا لیا گیا۔ شاید اسی میں تمہاری بہتری ہو۔ تو شب قدر کو ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو۔

وضاحت: یہ روایت بھی باب سے غیر متعلق ہے۔ اس کو لیتے وقت معلوم ہوتا ہے امام صاحب نے یہ نکتہ مد نظر رکھا ہے کہ جب دو مسلمانوں کی آپس میں لڑائی سے شب قدر کے متعلق علم نبی صلی اللہ علیہ

امین احسن اصلاحی

فیصلوں میں عدل و انصاف کا لحاظ

(موطا امام مالک کی کتاب الشفعۃ و کتاب الاقضیۃ کی روایات)

ما تقع فیہ الشفعۃ

(وہ چیزیں جن میں شفعہ ہو سکتا ہے)

شفعہ کے لغوی معنی ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کو ملا لینا ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اگر آپ کے کھاتے میں کوئی دوسرا شریک ہو اور آپ اس میں سے بغیر اپنے شریک سے مشورہ کے فروخت کر دیں تو شریک کے مصالح کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کا موقع پیدا ہو گا۔ عقل کا بھی تقاضا ہے اور شریعت نے بھی اس کی اجازت دی ہے کہ شریک کو حق ہے کہ وہ شفعہ کرے۔ اگر آپ نے کوئی چیز بیچی ہے تو اس میں شریک کا حق مقدم ہو گا۔ البتہ اس میں بہت سی شرطیں اور قیدیں ہیں جن کو جاننے کی ضرورت ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شفعہ ہر چیز کے اندر نہیں بلکہ شفعہ مکان یا زمین پر ہی ہو سکتا ہے اور کسی چیز میں نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آدمی اگر کپڑے بھی بیچے تو شفعہ ہو سکتا ہے تو یہ غیر عقلی اور فضول بات ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ملکیت واضح نہ ہو بلکہ ملک مشاع ہو یعنی دو فریق کھاتے میں حصہ دار تو ہیں لیکن ملکیت ابھی غیر معین ہے۔ اس کے حدود متعین نہیں ہوئے ہیں۔ اس صورت میں اگر ایک فریق بیچے تو دوسرا شفعہ کر سکتا ہے لیکن جب حدود متعین ہو جائیں اور ملکیت واضح ہو تو پھر حق شفعہ باقی نہیں رہتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے تقسیم ہونے سے اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہو۔ جیسے ایک کنواں اگر تقسیم ہو جائے تو پھر کنواں ہی نہیں رہے گا۔ اسی طرح کی کوئی اور چیز جس کی تقسیم اس کی منفعت کو ختم کر دے، اس میں شفعہ نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز بیچے جو مخلوط ہے تو اگرچہ وہ اپنا حصہ ہی بیچے گا لیکن دوسرا آدمی یہ چاہے گا کہ بقیہ حصہ بھی اس کو مل جائے تاکہ کوئی اجنبی آدمی شریک نہ ہو جائے۔ لہٰذا بیع کرنے والے کو چاہیے کہ دوسرے فریق کو اطلاع کر دے تاکہ جو کچھ کارروائی اس کو کرنی ہے کر لے۔ اگر اس کو اطلاع نہ کی جائے تو وہ یہ حق رکھتا ہے کہ وہ عدالتی چارہ جوئی کر کے اپنے شفعہ کا حق محفوظ کر لے۔ لیکن یہ اختیار بہت طویل مدت تک نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے بیع کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ایک چیز بیع ہوتی ہے تو مشتری کو قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کو غیر محدود مدت تک قبضہ سے نہیں روکا جا سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ شفعہ جلد از جلد کیا جائے۔ اگر زیادہ دیر کر دی جائے تو پھر شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق شفعہ استعمال کرنے میں کتنی دیر کی جا سکتی ہے۔ اس معاملے میں فقہا مدت متعین نہیں کرتے۔ میرے نزدیک اس میں بیع خیار والا معاملہ ہونا چاہئے۔ یعنی اگر دوسرے شریک کو اطلاع کر دی گئی تو آپ نے حق ادا کر دیا۔ اس کو شفعہ کا حق صرف اس صورت میں رہے گا جب اس کو اطلاع نہیں کی جاتی۔ میرے نزدیک خیار کی مدت معاملے کی نوعیت کے لحاظ سے مقرر ہونی چاہئے۔ البتہ یہ مدت غیر محدود نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ دو چار ماہ کا وقت دے دیا جائے گا۔

حدثنا یحی عن مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب و عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن بن عوف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالشفعۃ فیما لم یقسم بین الشرکاء فاذا وقعت الحدود بینھم فلا شفعۃ فیہ۔

ترجمہ .... ابن شہاب سعید بن مسیب اور ابی سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ اس جائیداد کے بارے میں کیا جس کی تقسیم شریکوں کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ اگر تقسیم ہو کر حدود متعین ہو چکے ہوں تو شفعہ نہیں ہے۔

وضاحت .... اس روایت سے یہ ظاہر ہے کہ صرف شریک ملکیت ہی شفعہ کر سکتا ہے' شریک کمانہ نہیں۔ اگر حدود متعین ہو گئے ہوں تو شفعہ کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ عام لوگ بھی شفعہ نہیں کر سکتے۔ احناف کے نزدیک پڑوسی شفعہ کر سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ پڑوسی کے حقوق بہت ہیں۔ روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور پڑوسی کے بارے میں اس قدر نصیحت کرنے لگے کہ میں ڈر گیا کہ کہیں اس کو شریک جائیداد نہ بنا دیں۔ پڑوسی کے حقوق بلاشبہ بہت زیادہ ہیں لیکن یہ اسی طرح ہیں جس طرح دوسرے مسلمان بھائیوں کے بہت سے حقوق ہیں۔ پڑوسی کا کوئی قانونی حق ثابت نہیں۔ لہٰذا احناف کا مسلک میری سمجھ میں نہیں آیا۔

ما لا تقع فیہ الشفعۃ

(وہ چیزیں جن میں شفعہ نہیں ہو سکتا)

قال یحی قال مالک عن محمد بن عمارہ عن ابی بکر بن حزم ان عثمان بن عفان قال اذا وقعت الحدود فی الارض فلا شفعۃ فیھا ولا شفعۃ فی بئر ولا فی فحل النخل۔ قال مالک وعلی ھذا الامر عندنا۔

ترجمہ .... ابی بکر بن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ جب زمین کی حدود معین ہو جائیں تو اس میں شفعہ کا حق نہیں رہتا۔ اور کنویں اور نر کھجور میں بھی شفعہ نہیں۔ مالک کہتے ہیں کہ ہمارا فتویٰ اسی پر ہے۔

وضاحت .... نخل کھجور کے اس نر درخت کو کہتے ہیں جس کے پھول چھڑک کر دوسری کھجوروں کی تابیر کرتے ہیں۔ اس سے کھجوریں خوب پھل دیتی تھیں۔ ایسے درخت باغ میں دو تین ہی ہوتے تھے۔

اس روایت میں خلیفہ راشد کا اثر ہے اور عام طور پر خلفائے راشدین ایسے فتوے اہل علم کے مشورے سے دیتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے اور یہ ٹھیک کیا ہے اس دور خیر کے یہ فتوے اجماع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کنوئیں اور کھجور میں شفعہ نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ تقسیم سے ان کی منفعت ختم ہو جاتی ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ راستے کے بارے میں بھی شفعہ نہیں ہو سکتا۔ راستہ بھی مشترک ہی رہے گا۔ تقسیم سے جس چیز کا مفاد ختم ہو جاتا ہو اس میں شفعہ نہیں۔

الترغیب فی القضاء بالحق

(حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی ترغیب)

حدثنا یحی عن مالک عن ھشام بن عروہ عن ابیہ عن زینب بنت ابی سلمۃ عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ انما انا بشر وانکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشیء من حق اخیہ فلا یاخذن منہ شیئا فانما اقطع لہ قطعۃ من النار۔

ترجمہ .... ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بیان کے زور پر اپنی وکالت میں بڑھا ہوا ہو اور میں اس کے دلائل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو جس کے لئے میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ دے دیا تو وہ اس میں سے نہ لے اس لئے کہ میں نے اس کے لئے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کیا ہے۔

وضاحت .... یہ روایت حق کے مطابق فیصلے کی ترغیب تو دیتی ہی ہے لیکن اس سے ایک اہم نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی معصومیت کا دائرہ اس کے اجتہاد کی حد تک ہے۔ اجتہادی امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نگرانی ہوتی ہے۔ اگر اصلاح کی ضرورت ہو تو وہ کر دی جاتی ہے۔ یہی پیغمبر کی معصومیت کا تقاضا ہے۔ لیکن مقدمے کا فیصلہ اس سے الگ ہے۔ پیغمبر اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ شہادت اور مقدمے کی روداد کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ پیغمبر کے سامنے مقدمہ کی روداد ایسے طریقے سے پیش کی جائے اور غلط موقف کے حق میں دلائل کچھ ایسی قوت سے پیش کئے جائیں کہ ان کی بنا پر وہ حق کے خلاف فیصلہ کر دے' اس لئے کہ مقدمے کی روداد اس کی متقاضی ہے۔

پیغمبر کسی معاملے کا فیصلہ علم غیب کی بنا پر نہیں کر سکتا۔ اگر وہ مقدمات کا فیصلہ علم غیب کی بنا پر کرنے کا پابند ہوتا تو ہماری عدالتیں کس اصول پر فیصلے کرتیں' وہ تو غیب نہیں جانتیں۔ ایک قاضی جو دلائل کی روشنی میں اور روداد کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ پیغمبر کی متابعت میں فیصلہ کرتا ہے۔ اگر اس کا فیصلہ حق کے مطابق نہ بھی ہو تب بھی وہ عنداللہ ماجور ہو گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اگر پیغمبر بشریت کے تقاضے سے کسی وکیل کے دلائل سے متاثر ہو کر کوئی ایسا فیصلہ کر دیتا ہے جو حق کے مطابق نہیں ہے تو وہ فیصلہ تو نافذ ہو جائے گا لیکن اس سے کوئی ناحق حق نہیں بن جائے گا۔ جو شخص بے ایمانی سے' پیغمبر کو چکمہ دے کر اور اپنی وکالت کے زور پر ناحق دنیا کی کچھ متاع لے اڑا تو وہ یاد رکھے کہ یہ متاع اس کے لئے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہو گی جس کا سامنا اسے آخرت میں کرنا ہو گا۔ علیٰ ھذا القیاس ایک آدمی قاضی سے اگر کوئی ناحق فیصلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی سزا آخرت میں بھگتے گا۔

حدثنی مالک عن یحی بن سعید عن بن المسیب ان عمر بن الخطاب اختصم الیہ مسلم و یہودی فرای عمر ان الحق للیہودی فقضی لہ فقال لہ الیہودی واللہ لقد قضیت بالحق فضربہ عمر بن الخطاب الدرۃ ثم قال وما یدریک' فقال لہ الیہودی انا نجد انہ لیس قاض یقضی بالحق الا کان عن یمینہ ملک' وعن شمالہ ملک یسددانہ و یوفقانہ للحق ما دام مع الحق' فاذا ترک الحق عرجا و

ترکاہ۔

ترجمہ .... سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس ایک مسلمان اور ایک یہودی مقدمہ لائے۔ حضرت عمر کو یہ بات نظر آئی کہ حق یہودی کے ساتھ ہے۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم آپ نے حق کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ایک درہ لگایا پھر کہا کہ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ یہودی نے کہا' ہمارے ہاں روایت ملتی ہے کہ جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس کے داہنے ایک فرشتہ ہوتا ہے اور اس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ یہ فرشتے اس کو درست رکھتے اور حق کی توفیق دیتے رہتے ہیں جب تک وہ حق پر ہوتا ہے اور جب وہ حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ چل دیتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

وضاحت .... حضرت عمرؓ کے سامنے یہودی نے جو بات کی یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو کہی تھی کہ اسی انصاف کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ اس یہودی نے بھی حضرت عمرؓ کے فیصلے کی داد دی۔ اس پر انہوں نے پوچھ لیا کہ اچھا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں حق پر ہوں۔ شاید اس لئے کہہ رہے ہو کہ فیصلہ تمہارے حق میں ہو گیا۔ لیکن یہودی اپنی بات پر اڑا رہا کہ ہمارے ہاں روایت ہے کہ جو قاضی حق فیصلہ کرتا ہے تو اس کے داہنے اور بائیں دو فرشتے اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے ورنہ ہماری بات پر کسی کو کیسے اعتبار آ سکتا ہے۔

یہودی کے تحسین کے کلمات سے لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ اس نے حضرت عمرؓ کے منہ پر ان کی تعریف کر دی تھی اس لئے انہوں نے اس پر درہ اٹھا لیا۔ میرے نزدیک یہ خیال درست نہیں۔ یہ بات کہ خدا کی قسم آپ نے حق کے مطابق فیصلہ کیا ایسی نہیں تھی کہ اس پر درہ مارا جائے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنا اچھی بات نہیں' بہت ہی بے ہودہ بات ہے اور اس کی حوصلہ شکنی بھی کرنی چاہئے' لیکن یہ موقع سزا دینے کا نہیں تھا۔ یہودی نے اپنی بات کے حق میں اپنے ہاں کی کسی روایت کا حوالہ دے کر کہا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق بخشی۔ یہ ایسی بات نہیں تھی جس پر حضرت عمرؓ اسے سزا دیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عمر کے ہاتھ میں درہ تو رہتا ہی تھا لیکن وہ ہمیشہ اس کو سزا دینے ہی کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی وہ محض ڈرانے دھمکانے کے لئے کسی شخص پر اٹھا لیتے رہے ہوں گے اور کبھی پیار سے بھی ایسا کرتے رہے ہوں۔ یہاں پیار ہی سے اٹھانے کا موقعہ نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ جیسے

معقول' مہذب اور شائستہ آدمی سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ حق یا ناحق ہر موقع پر لوگوں کی ٹھکائی کر دیتے رہے ہوں۔ یقیناً لوگوں کو موقع و محل سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

ما جاء فی الشہادات

گواہوں کے بارے میں ہدایات

حدثنا یحی عن مالک عن عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان عن ابی عمرۃ الانصاری عن زید بن خالد الجہنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الا اخبر کم بخیر الشہداء الذی یاتی بشہادتہ قبل ان یسالہا او یخبر بشہادتہ قبل ان یسالہا

ترجمہ۔۔۔ زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بتاؤں کہ سب سے بہتر گواہ کون ہے۔ وہ جو اپنی گواہی پیش کرے قبل اس کے کہ اس سے سوال کیا جائے یا وہ اپنی گواہی کی خبر دے قبل اس کے کہ اس سے پوچھا جائے۔ (یہ راوی کو شبہ ہے)

وضاحت۔۔۔ اس امت کا فریضہ منصبی شہداء اللہ فی الارض کا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں ہے "**لتکونوا شہداء علی الناس**" یہ حق کی گواہی دینے والی امت ہے۔ اس فریضہ منصبی کا تقاضا یہ ہے کہ امت کے افراد کا اجتماعی مزاج یہ ہو کہ آدمی کسی مظلوم کی حق تلفی ہوتے دیکھ کر خود بول پڑے کہ میں جانتا ہوں کہ اس بیچارے کا حق ہے اور اس کو اس کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اس سے بحث نہ ہو کہ عدالت اس کو طلب کرتی ہے یا نہیں۔ وہ ہزاروں کے سامنے بھی اپنی گواہی پیش کرنے کے لئے تیار رہے۔ آج ہمارا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ گواہی بکتی ہے۔ پیشہ ور گواہ عدالتوں میں موجود ہوتے ہیں۔ آپ کا کوئی مقدمہ ہو وہ گواہی دینے کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ یہ بدمعاشی ہے۔ ایسے لوگ اس امت کے فرض منصبی کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

حدثنی مالک عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن انہ قال: قدم علی عمر بن الخطاب رجل من اہل العراق' فقال قد جئتک لامر مالہ راس ولا ذنب' فقال عمر ما ہو قال شہادات الزور ظہرت بارضنا' فقال عمر او قد کان ذالک قال نعم' فقال عمر واللہ لا یوسر رجل فی الاسلام بغیر العدول۔

ترجمہ۔۔۔ ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص اہل عراق میں سے آیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک ایسے معاملے کی خبر لایا ہوں کہ جس کا نہ کوئی سر ہے نہ دم (یہ محاورہ ہے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتیں بہت پھیل رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا یہ ہونے لگا۔ اس نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی بات نہیں' میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اسلام میں کوئی شخص عدول گواہوں کی گواہی کے بغیر قید نہیں کیا جائے گا۔

وضاحت۔۔۔ روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق سے آنے والے شخص کی آمد کا کوئی خاص پس منظر تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کے خلاف کوئی سازش تھی اور بعض لوگ اس کو گرفتار کروانا چاہتے تھے۔ وہ گھبرا کر اپنی پیشگی ضمانت کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس آ گیا۔ اس نے آ کر امیرالمومنین سے کہا کہ ہمارے علاقے میں لوگ بے سروپا باتیں منسوب کر کے جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں' اس طرح عراق میں جھوٹی گواہی کا فتنہ پھیل رہا ہے۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اس کے خلاف کوئی گواہی کا مسئلہ ہے اور اس کو گرفتاری کا اندیشہ ہے تو انہوں نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو۔ اسلام میں بغیر عادل گواہوں کی گواہی کے پکڑا نہیں جائے گا۔ یعنی میری طرف سے اطمینان رکھو کہ میرے قاضی تمہارے خلاف عادل گواہوں کی گواہی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیفٹی ایکٹ کی نوعیت کے قوانین جن میں بغیر کسی شہادت کے ہی لوگوں کو دھر لیا جاتا ہے اسلام کے خلاف اور باطل ہیں۔ اہل سیاست کا یہ مطالبہ بجا ہے کہ ایسے قوانین نہیں ہونے چاہئیں۔ ان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کا اصول ہے کہ جب تک حکومت باقاعدہ مقدمہ نہ بنائے کسی کو گرفتار کر کے جیل میں نہیں ٹھونس سکتی۔

حدثنی مالک انہ بلغہ ان عمر بن الخطاب قال: لا تجوز شہادۃ خصم ولا ظنین

ترجمہ۔۔۔ امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مخالف کی شہادت اور جس شخص کے متعلق بدگمانی کے وجوہ پائے جائیں اس کی گواہی جائز نہیں۔

وضاحت۔۔۔ یہ حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے۔ جس طریقے سے آپ کے حلیف یا رشتہ دار کی گواہی آپ کے حق میں مشتبہ ہے اسی طرح سے' اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ آپ کے اور گواہ کے درمیان جھگڑا ہے' تو پھر اس کی شہادت نہیں لی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ پیشہ ور گواہ ہے' جھوٹی گواہی دیتا پھرتا ہے یا کسی مقدمے میں ماخوذ ہے یا کسی غیر قانونی کاروبار میں ملوث ہے تو اس کی گواہی ناقابل قبول ہو گی' اس لئے کہ وہ عدول نہیں' اور اسلام میں غیر عدول کی گواہی معتبر نہیں۔ ہمارے فقہا نے ایک اصول یہ بنا رکھا ہے کہ صحابہ کے بعد کوئی شخص عدول نہیں اور جس شخص کا عدول ہونا معلوم نہ ہو اس کی گواہی نہیں لی جائے گی۔ میرے خیال میں یہ اصول صحیح نہیں۔ اصول یہ ہونا چاہئے کہ آپ اگر کسی شخص کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتے' کوئی وجہ تہمت نہیں لا سکتے تو وہ عدول مانا جائے گا' خواہ

وہ عالم ہو یا جاہل' اور وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ عدالتی معاملات میں عدول سمجھا جائے گا الا یہ کہ آپ اس کے خلاف کوئی الزام ثابت کر دیں۔

القضاء فی شہادة المحدود

جس پر حد جاری ہو چکی ہو اس کی گواہی کے بارے میں فیصلہ

قال یحیی عن مالک انہ بلغہ عن سلیمان بن یسار و غیرہ انہم سئلوا عن رجل جلد الحد اتجوز شہادتہ؟ فقالوا نعم اذا ظہرت منہ التوبۃ، وحدثنی مالک انہ سمع ابن شہاب یسئال عن ذالک' فقال ما قال سلیمان بن یسار۔ قال مالک: وذالک الامر عندنا وذالک لقول اللہ تبارک وتعالی " والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔ " قال مالک: فالامر الذی لا اختلاف فیہ عندنا ان الذی یجلد الحد ثم تاب واصلح تجوز شہادتہ وھو احب ما سمعت الی فی ذالک۔

ترجمہ۔۔۔۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ سلیمان بن یسار اور دوسرے لوگوں سے اس شخص کی گواہی کے بارے میں پوچھا گیا جس پر حد جاری ہو چکی ہو تو انہوں نے کہا کہ اس آدمی کی شہادت جائز ہے بشرطیکہ اس کی توبہ ظاہر ہو چکی ہو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ابن شہاب سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بھی وہی بات کہی جو سلیمان بن یسار نے کہی تھی۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا قول ہے۔ "اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر الزام لگائیں پھر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کریں تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ اصل فاسق ہیں۔ البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں گے تو اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص حد جاری ہونے کے بعد توبہ اور اصلاح کرلے تو اس کی شہادت جائز ہے اور اس بارے میں یہی سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہے جو میں نے سنی ہے۔

وضاحت۔۔۔۔ یہ فقہائے مدینہ اور امام مالکؒ کے فتوے ہیں۔ احناف کا مسلک الگ ہے۔ احناف کے نزدیک ایسے شخص کی شہادت کبھی قبول نہ ہوگی۔ جس آیت کو امام مالکؒ نے دلیل میں پیش کیا ہے اسی کو احناف بھی پیش کرتے ہیں۔ تاویل میں ان کو اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے مسلک کے دوسرے لوگ اس آیت کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ الا الذین کا استثنا اس بات کی دلیل ہے کہ تہمت لگانے والا اگر توبہ اور

اصلاح کرلے تو اس کی شہادت قبول ہونی چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ استثنا اولئک ھم الفاسقون سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص توبہ اور اصلاح کرلے گا وہ فسق سے نکل جائے گا' نہ کہ ساقط الشہادۃ ہونے سے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اس طرح آیت میں ابدا کا لفظ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے' اس لئے کہ تاب کے ساتھ کوئی تعلیق نہیں چل سکتی۔ اس لفظ کو کسی کے ساتھ معلق نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کریں گے تو ابدا کا لفظ اس کے منافی ہو گا۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ توبہ کرکے اصلاح کرلیں گے وہ فاسقون کے زمرے میں سے نکل جائیں گے لیکن ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ میرے نزدیک احناف کا مسلک قوی ہے۔ میں نے تدبر قرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ قانون یہ ہے کہ ایک شخص کسی پاکدامن عورت پر اگر زنا جیسے سنگین جرم کا الزام لگاتا ہے اور ثبوت میں شہادت نہیں پیش کر سکتا تو اس کی سزا کے طور پر وہ ہمیشہ کے لئے ساقط الشہادت ہو جائے گا۔ رہا توبہ کا معاملہ تو یہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان ہے وہ قبول کرے یا نہ کرے' وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی زبان اور نظام کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

بقیہ:

وسلم سے اٹھا لیا گیا تو اسی طرح لوگوں کے برے اعمال کے نتائج ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات میرے نزدیک محل نظر ہے۔ کیونکہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ شائد اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

لیلۃ القدر کی تاریخ متعین ہونے کی صورت میں ہو سکتا تھا کہ آدمی اس کو پا کر عجب یا سستی کا شکار ہو جاتا اور اس کا ہر رمضان میں شب قدر کو تلاش کرنے کا شوق ختم ہو جاتا یا بالکل ماند پڑ جاتا۔ لہٰذا اس رات کے متعلق ابہام ہی میں خیر ہے۔ آدمی اس کو پا کر بھی برابر اس کا اسی شوق سے متلاشی رہتا ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

حذف (۲)

حذف فاعل و مفعول:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں فعل کے فاعل یا مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے مختلف اسباب اور مختلف فائدے ہوتے ہیں لیکن یہ حذف وہیں ہوتا ہے جہاں اس بات کا واضح امکان موجود ہوتا ہے کہ قاری فاعل یا مفعول کو خود متعین کر لے گا۔ اب ہم اس طرح کے حذف کی بعض مثالیں پیش کریں گے۔

۱۔ بعض اوقات سلسلہ کلام میں ایک چیز کا ذکر ہو کر قاری کے ذہن میں مرتسم ہو چکا ہوتا ہے۔ اب اگر اس کا تذکرہ لفظوں میں نہ بھی کیا جائے تو قاری کا ذہن از خود اس کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اس کو لفظوں میں لا کر قرآن کلام کو ثقیل نہیں بناتا بلکہ قاری کی ذہانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ سلسلہ کلام میں اس چیز کا ذکر قریب بھی ہو سکتا ہے اور دور بھی۔ ان میں سے ہر ایک کی مثال حسب ذیل ہے۔

ا۔ **فاذا نزل بساحتهم فساء صباح المنذرين** (صافات ۱۷۷)

"وہ جب ان کے صحنوں میں اترے گا تو بڑی ہی بری ہو گی صبح ان لوگوں کی جن کو اس سے آگاہ کیا جا چکا ہے۔"

آیت میں فعل نزل کا فاعل محذوف ہے لیکن اس کو آیت ماسبق کی روشنی میں متعین کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے جس کے لئے کفار جلدی مچا رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم رسول کی تکذیب کر رہے ہیں تو حسب وعدہ عذاب کیوں نہیں آ رہا ہے۔ آیت میں ان کو خبردار کیا ہے کہ جب یہ عذاب آ دھمکے گا تو یہ کوئی معمولی آفت نہیں ہو گی۔

ب۔ **فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون فاصبحت كالصريم** (قلم ۱۹-۲۰)

"ابھی وہ سوئے پڑے ہی تھے کہ اس پر تیرے رب کی طرف سے گردش کا ایک جھونکا آیا تو وہ کٹی ہوئی فصل کے مانند ہو گیا"۔

یہاں فعل اصبحت کا فاعل الفاظ میں بیان نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی آیت اوپر سلسلہ کلام میں ذکر اصحاب الجنۃ یعنی ایک باغ والوں کا ہے جو نہایت بے خوف اور مطمئن تھے کہ ان کا باغ موسمی تغیرات سے گزر کر اب تمام آفتوں سے محفوظ ہو چکا ہے اور اگلی صبح اس کا پھل توڑنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی کا مزا چکھانا چاہتا تھا اس لئے راتوں رات باغ پر آندھی بھیج کر اس باغ کو کٹی ہوئی فصل کے مانند کر دیا۔ سلسلہ کلام کی روشنی میں اصبحت کا فاعل الجنۃ یعنی باغ ہے۔ واقعہ پڑھتے ہوئے قاری کے ذہن میں اس فاعل کے بارے میں کوئی ابہام نہیں رہ جاتا۔

۲۔ کبھی سلسلہ کلام میں کوئی قرینہ ایسا موجود ہوتا ہے جس کی روشنی میں کسی فعل کا فاعل بآسانی متعین کرنا ممکن ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا

اذ عرض عليه بالعشي الصافنات الجياد فقال اني احببت حب الخير عن ذكر ربي حتى توارت بالحجاب (ص ۳۱-۳۲)

"ایک دن شام کو اس کے ملاحظہ کے لئے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو اس نے کہا کہ یہ تو مال کی محبت میں لگ کر میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ (سورج) پردے میں چھپ گیا۔"

اس آیت میں فعل توارت کا فاعل حذف ہوا ہے۔ اس کے تعین کا قرینہ اوپر کا لفظ عشی فراہم کرتا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق عصر اور مغرب کے درمیان کے وقت پر ہوتا ہے۔ جس واقعہ کا حوالہ آیت میں ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ گھوڑوں کے معائنہ میں وہ کچھ ایسے منہمک ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا۔ قرینہ کی موجودگی میں لفظ سورج کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔

۳۔ کبھی قرینہ الفاظ میں موجود نہیں ہوتا لیکن مضمون میں پایا جاتا ہے۔ سورہ یوسف کی آخری آیت ہے

ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل كل شيء وهدى ورحمة لقوم يؤمنون (یوسف ۱۱۱)

"یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ تصدیق ہے اس چیز کی جو اس سے پہلے موجود ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت و رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے"۔

یہاں ذکر قرآن مجید کا ہو رہا ہے لیکن الفاظ میں اس کو بیان نہیں کیا۔ اس کا قرینہ اوپر کی آیات میں

بھی الفاظ میں موجود نہیں ہے لیکن زیر بحث جو بات ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وحی کی باتوں پر اعتماد نہیں کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا وحی الٰہی سے رہنمائی حاصل کرنے کا دعویٰ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ عذاب الٰہی سے جو ڈرا رہے ہیں تو یہ محض ایک من گھڑت دھمکی ہے۔ اس مضمون کی روشنی میں 'ماکان' کا فاعل 'قرآن' بآسانی متعین ہو جاتا ہے۔

۴۔ کلام میں اس کی غایت درجہ وضاحت کے باعث بھی کسی لفظ کا بیان غیر ضروری ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر حذف کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ **كلا اذا بلغت التراقي وقيل من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الى ربك يومئذ المساق (القیمۃ ۲۶-۳۰)**

"ہرگز نہیں، جب کہ (جان) ہنسلی میں آپھنسے گی اور کہا جائے گا اب کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا، اور وہ گمان کرے گا کہ بس وقت چل چلاؤ کا ہے، اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی، اس دن تیرے رب کی طرف جانا ہو گا۔"

ان آیات میں عیش دنیا کے متوالوں کو موت کی جان کنی اور اس وقت کی مایوسی و بے بسی کی یاد دہانی ہے۔ جان کنی کی تصویر اتنی واضح ہے کہ لفظ نفس (جان) کے استعمال کے بغیر بھی مفہوم ادا ہو رہا ہے۔ اس لئے فعل 'بلغت' کا فاعل 'نفس' محذوف ہے۔

ب۔ ٹھیک یہی مضمون سورۃ الواقعہ کی آیت ۸۳ **فلولا اذا بلغت الحلقوم** (تو کیوں نہیں اس وقت جب کہ (جان) حلق میں پہنچتی ہے) میں بیان ہوا ہے۔ وہاں بھی 'بلغت' کے فاعل 'نفس' کو حذف کر دیا ہے۔

ج۔ **ولما ورد ماء مدين وجد عليه امة من الناس يسقون ووجد من دونهم امراتين تذودان** (القصص ۲۳)

"اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس نے اس پر لوگوں کی بھیڑ دیکھی جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان سے ورے دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے گلے کو) روکے کھڑی تھیں۔"

یہاں فعل یسقون اور تذودان کا مفعول حذف ہے۔ جملے کی غایت وضاحت اور قرائن کی بدولت اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

د۔ **وتركنا عليه في الاخرين** (الصفت ۷۸، ۱۰۸، ۱۲۹)

"ہم نے اس کے طریقہ پر پچھلوں میں سے (ایک گروہ) چھوڑا" یہاں بھی غایت وضاحت کے باعث فعل ترکنا کا مفعول حذف ہو گیا ہے۔

۵۔ کبھی کوئی لفظ ایک ہی جملہ یا دو متصل جملوں میں دوبارہ آ جاتا ہے۔ اگر اس کا اظہار دونوں جگہ کر دیا جائے تو کلام میں تکرار کا عیب پیدا ہو جاتا ہے۔ کلام کو اس ثقالت سے بچانے کے لئے اس لفظ کو صرف اس جگہ ظاہر کیا جاتا ہے جہاں اس کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ دوسرے مقام میں اس کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ **وتزودوا فان خير الزاد التقوى** بقرہ ۱۹۷ "اور تقویٰ کا زاد راہ لو کیونکہ بہترین زاد راہ تقویٰ کا زاد راہ ہے۔" یہاں تزودوا کا مفعول التقویٰ ہے جو کلام میں حذف ہے۔ اگر اس کا اظہار کیا جاتا تو کلام ثقیل ہو جاتا۔ دوسری جگہ اس کے اظہار کے بغیر چارہ نہ تھا لہٰذا وہاں لفظ کو ظاہر کر دیا اور پہلے موقع پر حذف کر دیا۔ اس حذف کی طرف رہنمائی 'فان' کے حرف سے ہو رہی ہے جو بیان علت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ب۔ **فذوقوا بما نسيتم لقاء يومكم هذا انا نسينكم وذوقوا عذاب الخلد بما كنتم تعملون** (السجدہ ۱۴)

"تو اب چکھو (عذاب) اس جرم میں کہ تم نے اس دن کی پیشی کو بھلائے رکھا۔ ہم نے بھی تم کو نظر انداز کیا اور تم اپنے کئے کی پاداش میں اب ہمیشگی کا عذاب دیکھو۔"

یہاں بھی تکرار سے بچنے کے لئے پہلے ذوقوا کا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ ذوقوا کی تکرار سے عبرت کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔

۶۔ بسا اوقات ایک فعل کا مفعول پہلو دار ہوتا ہے۔ وہاں اگر کوئی لفظ لا کر مفعول متعین کر دیا جائے تو اس کا صرف ایک پہلو بیان ہو سکے گا اور عبارت کا مفہوم محدود ہو جائے گا حالانکہ دوسرے پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مفعول کو حذف کر دینے سے قاری کے فکر کے لئے ایک جولان گاہ فراہم کر دی جاتی ہے کہ وہ موقع کلام کے مطابق خود کئی مفعول سوچ لے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ **يايها الذين امنوا لا تقدموا بين يدي الله ورسوله واتقوا الله** (الحجرات ۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے مقدم نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو"

کس چیز کو مقدم نہ کرو، یہ بات الفاظ میں ادا نہیں ہوئی۔ معلوم ہے کہ مقدم کرنا کئی پہلوؤں سے ہو سکتا ہے مثلاً اپنی شخصیت کو زیادہ اہمیت دینا، اپنے مفاد کو زیادہ عزیز رکھنا، اپنی رائے کو رسول اللہ کی رائے سے فائق سمجھنا وغیرہ۔ ان تمام پہلوؤں تک رہنمائی کی گنجائش باقی رکھنے کے لئے لاتقدموا کا مفعول حذف کر دیا گیا۔

خالد مسعود

غزوۂ بدر (۲)

ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے مکہ کی طرف نکل جانے اور قریش کے لشکر کے ساتھ مڈبھیڑ کے امکان سے جو نئی صورت حال پیدا ہوئی اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اعتماد میں لے کران کا مافی الضمیر معلوم کرنا چاہا تاکہ جو لوگ قافلہ سے مقابلہ کے آرزومند تھے وہ عین مرحلہ جنگ میں کوئی کمزوری نہ دکھا دیں۔ آپ نے سب لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے تقریریں کیں اور اسلام کے لئے جاں نثاری کے جذبہ کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کی تحسین فرمائی۔ اس کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا "لوگو تم مجھے اس بارے میں مشورہ دو" اس پر مقداد بن عمروؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا "یا رسول اللہ' اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کے مطابق عمل فرمایئے' ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم' ہم آپ سے وہ بات کہنے والے نہیں ہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ اے موسیٰ' تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو' ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ آپ اور آپ کا رب دونوں جنگ کریں اور ہم بھی آپ کے ہمراہ ہو کر لڑنے والے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا' اگر آپ برک الغماد تک ہمیں لے کر چلیں تو ہم وہاں تک بھی آپ کے ہمراہ جائیں گے"۔ یہ تقریر سن کر حضورؐ نے مقدادؓ کی تعریف کی۔ پھر فرمایا "لوگو تم مجھے مشورہ دو"۔ اس پر سعدؓ بن معاذ نے محسوس کیا کہ آنحضرتؐ انصار کی رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بات زبان پر نہیں لا رہے ہیں۔ وہ اٹھے اور عرض کی "یا رسول اللہ' شائد آپ کا اشارہ ہماری جانب ہے۔ میں انصار کی طرف سے جواب دے رہا ہوں۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں' آپ کی نبوت کی تصدیق کی ہے' ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ جو دین آپ لے کر آئے ہیں وہی حق ہے۔ ہم نے آپ سے سمع وطاعت کا عہد وپیان کر رکھا ہے۔ یا رسول اللہ آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق عمل

فرمایئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا' اگر آپ ہمیں لئے ہوئے سمندر میں جا داخل ہوں تو ہم آپ کے ہمراہ اس میں بھی کود جائیں گے' اور ایک شخص بھی ہم میں سے پیچھے رہنے والا نہیں ہو گا۔ ہم اس بات سے قطعاً" کوئی ناگواری محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ کل دشمن کے ساتھ آپ کی مڈبھیڑ ہونے والی ہے۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے' مقابلہ کے موقع پر مضبوط اور کھرے لوگ ہیں۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو وہ چیز دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ آپ اللہ کی برکت سے ہمیں ہم رکابی کا شرف بخشیے"۔ یہ تقریر سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کا اظہار فرمایا اور کہا "لوگو' بشارت حاصل کرو کیونکہ اللہ نے مجھ سے دو میں سے ایک گروہ کو مغلوب کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے (اور اب صرف قریش کا لشکر بالمقابل ہے) اللہ کی قسم' میں دشمن کی قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔ اس طرح تمام ساتھیوں کو یکسو اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ سے سرشار کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی میں داخل ہوئے اور بدر کے گاؤں کے قریب اپنا کیمپ لگایا۔

بدر کے میدان جنگ میں:

بدر میں خیمہ زن ہو کر حضورؐ نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص' حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت علیؓ کو دشمن کے احوال کی سن گن حاصل کرنے کے لئے آگے بھیجا۔ قریش کے سقے ان کے ہاتھ لگ گئے اور وہ ان کو پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ لشکر میں قریش کے کون کون سے سردار شامل ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ عتبہ' شیبہ' ولید' ابوالبختری' امیہ بن خلف' ابوجہل' نضر بن حارث' سہیل بن عمرو' عمرو بن عبدود' زمعہ بن اسود' حکیم بن حزام' نبیہ بن الحجاج اور منبہ بن الحجاج لشکر کے ساتھ ہیں تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا **ھذہ مکۃ قد القت الیکم افلاذ کبدھا** "یہ مکہ نے تو اپنے جگر گوشے تمہارے آگے ڈال دیئے ہیں"۔

حق اور باطل کے درمیان معرکہ درپیش ہو اور اہل حق سر کی بازی لگا کر میدان میں نکل آئے ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی نصرت کی شانیں دکھایا کرتا ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز اہل حق کا ساتھ دینے کے لئے آموجود ہوتی ہے۔ میدان بدر میں بھی یہی کچھ ہوا۔ میدان میں پانی کمیاب تھا۔ مسلمانوں نے ایک حوض سا بنا کر اس میں پانی ذخیرہ کرنے کی تدبیر کی۔ میدان ریتلا تھا جس میں قدم اچھی طرح نہیں جمتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما کر یہ دونوں پریشانیاں ختم کر دیں۔ بارش سے ریت جم گئی اور اس پر چلنا آسان ہو گیا۔ پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب ہو گیا اور حوض بھر گیا۔ رات ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے پریشان ہونے کے بجائے ایسی نیند کا مزہ لیا جس نے ان کی ساری کلفت دور کر دی۔ خدا کی نازل کردہ اس پر سکون نیند کے بعد

وہ صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھے اور پوری دلجمعی کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا۔ خدا کی نصرت کی انہی نشانیوں کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن مجید میں آیا ہے

اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ ویذھب عنکم رجز الشیطن ولیربط علی قلوبکم ویثبت بہ الاقدام (انفال ۱۱)

"یاد کرو جب کہ تم کو چین دینے کے لئے اپنی طرف سے وہ تم پر نیند طاری کر دیتا ہے اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاکیزگی بخشے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دفع کرے اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور قدموں کو جمائے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہؓ نے ایک چھپر تعمیر کر دیا تھا۔ آپ رات کو اس کے نیچے دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ آپ دعا کرتے "اے اللہ' اگر تو نے اہل اسلام کے اس مختصر گروہ کو آج ہلاک ہونے دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے گا۔ پروردگار' تو نے مجھ سے جو وعدہ کر رکھا ہے اس کو پورا فرما"۔ آپ ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر یہی دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر کندھوں سے گر پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر عرض کی "یارسول اللہ' اب بس کیجئے اللہ آپ کے ساتھ اپنے وعدہ کو نبھائے گا۔"

صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی حضورؐ نے صحابہ کرام کو صف بندی کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے نہایت اہتمام سے اپنی فوج کی صفیں درست کیں۔ تلوار اور نیزہ رکھنے والوں کو بیچ میں رکھا اور تیر اندازوں کو دونوں اطراف پر مقرر فرمایا اور ساتھ ساتھ جنگ کے بارے میں ہدایات دیتے رہے۔ اسی دوران میں قریش نے ایک شخص عمیر بن وھب کو میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ اس نے جا کر رپورٹ دی کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ نہ کوئی حصہ ریزرو میں ہے نہ گھات میں' ساری قوت میدان میں آ چکی ہے اور مسلمانوں کی صفوں میں کامل خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ اپنی تلواروں اور نیزوں کے سوا ان کے لئے کوئی پناہ گاہ یا حفاظت کا سامان نہیں۔ اس رپورٹ نے کفار کو مسلمان لشکر کی بے مائیگی اور کم بیشی کا تاثر دیا اور وہ بڑے تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے مقابلہ پر آئے۔ ان کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا "اے اللہ' یہ قریش اتراتے ہوئے اور اپنی قوت پر فخر کرتے ہوئے کیل کانٹے سے لیس ہو کر تیری دشمنی اور تیرے رسول کی دشمنی میں یہاں آئے ہیں۔ اے اللہ' اپنی وہ نصرت عطا فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ' ان کو ہلاک کر"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ مسلمانوں کو دشمن کی تعداد معمولی نظر آئی۔ قریش کی قوت کا جو رعب ان پر تھا وہ اس موقع پر یکدم دل سے نکل گیا اور وہ بڑے حوصلہ کے ساتھ ان کا سامنا کرنے پر تیار ہو گئے۔ قریش تو پہلے ہی مسلمانوں کو حقارت کے ساتھ

دیکھ رہے تھے اس لئے مقابلہ پر اتر آئے۔ دونوں لشکروں کی انہی کیفیات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

اذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا (انفال ۴۴)

"یاد کرو جب وہ تمہاری مڈبھیڑ کے وقت ان کو تمہاری نظروں میں کم دکھاتا ہے اور تم کو ان کی نظروں میں کم دکھاتا ہے تاکہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے شدہ تھا۔"

جنگ کے آغاز میں جب قریش کے تین سرداروں — عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے مبارزت طلبی کی تو فوراً تین انصاری نوجوان آگے بڑھے۔ قریشی مبارزوں نے ان کو شناخت کرنے کے بعد اپنے ہم پلہ نہیں سمجھا اور اپنے ہم قوموں کو مقابلہ پر بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہاشم کے تین معززین — عبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب' حمزہؓ بن عبدالمطلب اور علیؓ بن ابی طالب جو رشتہ میں آپ کے چچا اور چچا زاد بھائی تھے — کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تینوں قریشی سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار کر دشمن کو پہلی زک پہنچائی۔ جب باقاعدہ جنگ شروع ہوئی تو حضورؐ مسلمانوں کو یہ کہہ کر حوصلہ دیتے رہے کہ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے' آج جو شخص دشمن کے ساتھ ثابت قدمی اور حسن نیت کے ساتھ لڑے گا' وہ آگے بڑھے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا"۔ اس بشارت نے ممولے کو شہباز سے لڑ جانے کا حوصلہ دیا۔ جب بندے خدا کی راہ میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں تو وہ بھی اپنے فرشتوں کو ان کی مدد کے لئے بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی فرشتوں کی یہ کمک آئی۔ مسلمانوں نے کامل ایمان اور توکل کا مظاہرہ کرتے ہوئے قریش کی صفیں الٹ دیں اور تاک تاک کے ان کے لیڈروں کو قتل کیا۔ ان کے حوصلے کا یہ عالم تھا کہ دو نوخیز انصاری معاذ اور معوذ مہاجرین سے پوچھتے تھے کہ وہ ابوجہل کی نشان دہی کریں تاکہ وہ اللہ کے دشمن کو موت کے گھاٹ اتاریں۔ چنانچہ انہی دونوں نے اس کو واصل جہنم کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ قریش کا حوصلہ پست ہونے لگا اور ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔

گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے ایک مٹھی ریت اٹھائی اور شاہت الوجوہ (ان چہروں کا ناس ہو!) کی بددعا دیتے ہوئے اس کو دشمن کی طرف پھینکا اور صحابہ سے کہا کہ اب ان پر دھاوا کرو۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے ان کی تہ تیغ کرنا شروع کیا اور بعضوں کو گرفتار کر لیا۔ مشہور روایت کے مطابق ستر آدمی مقتول اور اسی کے بقدر اسیر ہوئے۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ صحابہ کرام نے شہادت پائی۔ ان میں آٹھ انصاری اور چھ مہاجر تھے۔ قرآن نے اس مرحلہ جنگ کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ولیبلی المومنین منہ بلاء حسنا ان

اللہ سمیع علیم (پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب تو نے ان پر خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی (کہ اللہ اپنی شانیں دکھائے) اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

جنگ ختم ہوئی اور صف اول کے قریشی سرداروں کے کھیت رہنے کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے شکرانے کے دو نفل ادا کئے اور کہا "**اللہ اکبر الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ**" اللہ اکبر خدا کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا' اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تنہا دشمن فوجوں کو ہزیمت سے دوچار کیا"۔ گویا جس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب اور باطل کو زیر کرنے کے لئے خاص اپنی نصرت کی شانیں دکھائیں اور غزوہ بدر قریش کے لئے عذاب بن گیا' اسی حقیقت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر برملا اعتراف کیا اور کوئی کریڈٹ خود نہیں لیا۔ اس کے بعد آپ نے قریش کی لاشیں ایک گڑھے میں دفن کرائیں اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے گڑھے والو تم اپنے نبی کے حق میں بدترین خاندان ثابت ہوئے۔ تم نے میری تکذیب کی جبکہ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے اپنے شہر سے نکالا جبکہ دوسروں نے مجھے جگہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی جب کہ دوسروں نے میری مدد کی۔ اے عتبہ' اے شیبہ' اے امیہ' اے ابوجہل' ہے تا یہ حقیقت کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اس کو سچ پایا۔ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے تو اس کو بالکل سچ پایا ہے۔"

حضورؐ کے اس خطاب میں قریش کے اس جرم کو نمایاں کیا گیا ہے جس کے وہ دعوت حق کی تکذیب کر کے مرتکب ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا لیا تھا لیکن اللہ چونکہ اپنے رسول کو کامرانی عطا فرماتا ہے اس لئے اسباب و وسائل نہ رکھتے ہوئے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں ہی کے لئے فتح مقدر ہوئی اور یوں خدا کا وعدہ سچا ثابت ہوا۔ رسول اللہ جب بدر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو لوگ فتح کی مبارک باد دینے کے لئے آئے۔ مسلمہ بن سلامہ انصاریؓ ان کو روداد فتح سناتے ہوئے کہنے لگے۔

"ہمارا مقابلہ تو بڑی بوڑھیوں سے تھا جو گھروں سے باہر نکل آئی ہوں۔ ان کی حالت بندھے ہوئے اونٹوں کی تھی جن کو ہم ذبح کر رہے تھے"۔

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا "بھتیجے' یہ نہ کہو۔ وہ تو قریش کے سردار تھے"۔

جنگ کے بعد:

پہلا شخص جو مکہ میں شکست کی خبر لے کر پہنچا وہ حیثمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ اس کو لوگوں نے گھیر لیا۔ جب اس نے بہت سے اشراف کے قتل ہونے کی اطلاع دی تو لوگوں کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ صفوان بن امیہ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سنا تو کہا کہ اس شخص کا دماغ چل گیا ہے' اس کو جانچنے کے لئے میرے بارے میں اس سے سوال کرو۔ لوگوں نے اس سے پوچھا اس وقت صفوان کیا کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا اس وقت وہ حطیم میں بیٹھا ہے اور اللہ کی قسم میں نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ابولہب کو بتایا گیا کہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن حارث میدان جنگ سے لوٹا ہے۔ اس نے کہا اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ آیا تو دوسرے لوگ بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ابولہب نے پوچھا بھتیجے کیا معاملہ ہوا۔ اس نے جواب دیا اللہ کی قسم' بس اتنا ہوا کہ مڈبھیڑ ہوئی اور ہم نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ وہ جس طرح چاہتے ہماری گردنیں اڑاتے اور جس طرح چاہتے ہمیں قیدی بنا لیتے رہے۔

مقتولین کی بڑی تعداد سے پورے مکہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ عورتوں نے اپنے بال نوچے اور نوحہ کیا۔ مردوں نے جھنجلاہٹ میں کئی جانوروں کو زخمی کر دیا۔ قریش کے لیڈروں نے محسوس کیا کہ اس طرز عمل سے ملک بھر میں ان کی سبکی ہو گی اور مسلمانوں کو ان پر ہنسنے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کرا دیا کہ کوئی شخص نوحہ نہ کرے۔ قیدیوں کی واپسی کے معاملے میں بھی جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ ورنہ محمد اور اس کے ساتھی بھاری زر فدیہ کا مطالبہ کریں گے۔

غزوۂ بدر مسلمانوں کی پہلی منظم جنگ تھی۔ اس میں کافی مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چونکہ جنگی قیدیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی بہت سے مسلمان ان کی گرفتاری کے انتظامات میں مصروف رہے۔ کچھ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے نقطہ نظر سے آپ کے پاس رہے۔ باقی صحابہ نے مال غنیمت جمع کیا۔ اب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا کہ اس مال پر کس کا حق ہے۔ جمع کرنے والے مدعی تھے کہ اس کے حقدار وہی ہیں۔ جو لوگ مشرکین کو قیدی بنا رہے تھے انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اگر ہم دشمن کے مقابل میں نہ ہوتے تو یہ مال کہاں سے آتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں نے اس میں اپنے حق کا مطالبہ کیا۔ بحث نے جو شکل اختیار کی اس سے یہ بات نمایاں ہوئی کہ تقویٰ' باہمی خیرخواہی اور اللہ و رسول کی اطاعت کی وہ روح جو سچے ایمان کا تقاضا ہے ایک گروہ کے اندر ابھی پختہ نہیں ہوئی۔ اس موقع پر اسلام میں مال غنیمت کے اجتماعی ملکیت ہونے کا تصور دیا گیا اور قرآن مجید نے بتایا کہ اس کا پانچواں حصہ حکومت کو اجتماعی بہبود میں خرچ کرنے کے لئے دیا جائے گا اور باقی مال شرکائے جنگ میں بانٹا جائے گا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے تمام مال یکجا کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے حکومت کا حصہ الگ کر کے باقی مجاہدین میں تقسیم کیا۔ آپ نے ان آٹھ صحابہ کو بھی حصہ دیا جو مدینہ پر بطور عامل مقرر تھے یا کوئی دوسری ذمہ داری ادا کر رہے تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بعض لوگوں سے جو کمزوری ظاہر ہوئی اس کے پیش نظر اہل ایمان کی تربیت کے لئے قرآن مجید نے ان کے سامنے سچے اہل ایمان کی خصوصیات واضح کیں۔ فرمایا کہ سچے اہل ایمان وہ ہوتے ہیں جن کے اندر خدا کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت کا شعور ہوتا ہے اور یہ شعور ان کو صحیح طرز عمل سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ جب ان کو کوئی حکم دیا جاتا ہے یا ان پر شریعت کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں تو وہ ان کو خوش دلی سے قبول کرتے ہیں اور ان سے ان کا ایمان تقویت پاتا اور مزید ترقی کرتا ہے۔ ان کا اعتماد اپنے رب پر ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو جو حکم بھی دیا ہے اسی میں ان کی فلاح ہے اور جن حالات سے دوچار کیا ہے انہی میں ان کی مصلحت ہے۔ سچے اہل ایمان اپنے رب کے وفادار رہتے ہیں۔ آپس میں صلح وصفائی کا معاملہ رکھتے ہیں اور ان تمام اعلیٰ صفات سے متصف رہنے کے لئے نماز اور انفاق کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

یوم فرقان:

غزوۂ بدر کو قرآن مجید میں یوم الفرقان کہا گیا ہے جس کا صاف مفہوم ہے حق کو باطل سے ممیز کر دینے والی جنگ اور اس جنگ نے فی الحقیقت یہ بات واضح کر دی کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اللہ کی تائید کس کو حاصل ہے کس کو نہیں؟ کس گروہ کا کیا انجام ہونے والا ہے اور کیوں؟ نیز اس جنگ نے اہل ایمان کے ایمان کو بھی اچھی طرح جانچا۔ جنگ بدر کے فرقان ہونے کی متعدد شہادتیں موجود ہیں:

۱ یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دشمن کے مقابل میں ہر لحاظ سے قلیل، کمزور اور کم مایہ تھا۔ اسی بنا پر ایک گروہ نے شروع میں کمزوری دکھائی اور تجارتی قافلہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسباب ایسے پیدا کر دیئے کہ ہر مسلمان کو پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا اور مسلمان اس میں کامیاب رہے۔

۲ اس غزوہ میں نہایت قریبی اعزہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے اور بلاشبہ مسلمانوں نے ثابت کیا کہ ان کے لئے خون کا نہیں بلکہ ایمان کا رشتہ زیادہ عزیز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیٹا ابھی مسلمان نہ ہوا تھا اور وہ بدر میں لڑنے آیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے کہا کہ ابا جان' ایک مرحلہ پر آپ میری تلوار کی زد میں آچکے تھے لیکن میں نے آپ کا لحاظ کرتے ہوئے آپ پر وار نہ کیا'۔ سیدنا ابوبکرؓ نے جواب دیا بیٹے' اگر تم میری تلوار کی زد میں آ گئے ہوتے تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا'۔ العاص بن ہشام حضرت عمرؓ کا ماموں تھا اور وہ ان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ابوحذیفہؓ عتبہ کے بیٹے تھے۔ جب عتبہ کی لاش گڑھے میں ڈالی جا رہی تھی

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اچانک ابوحذیفہؓ کے چہرے پر پڑی جو متغیر ہو رہا تھا۔ آپ نے پوچھا "ابوحذیفہ' شائد تم باپ کے بارے میں کچھ محسوس کر رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں یارسول اللہ' اللہ کی قسم' میری رائے اپنے باپ یا اس کے قتل سے ڈانواڈول نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے والد کو صحیح رائے رکھنے والا اور حلم وفضل والا جانتا رہا ہوں۔ مجھے توقع تھی کہ اس کی یہ خصوصیات اس کو اسلام کی طرف راغب کریں گی۔ اس توقع کے بعد میں نے اس کا جو انجام دیکھا ہے اور جب میں کفر کی اس حالت کو یاد کرتا ہوں جس پر وہ مرا تو یہ چیز مجھے غمزدہ کرتی ہے"۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہؓ کو دعا دی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو ان کے بھائی کو اسیر بنا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا' اس کو اچھی طرح کس کر باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار ہے' اچھا فدیہ ادا کرے گی'۔ اس نے کہا بھائی جان آپ میرے خلاف اس کو مشورہ دے رہے ہیں؟" حضرت مصعبؓ نے کہا "تم میرے بھائی نہیں ہو' وہ انصاری میرا بھائی ہے"۔ اس جنگ کے اسیروں میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس' دو چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث اور ایک داماد ابوالعاص بن ربیع شامل تھے جن کو دوسرے اسیران جنگ کی طرح زر فدیہ دے کر رہائی حاصل کرنی پڑی اور ان کے ساتھ دوسرے اسیروں سے الگ معاملہ نہیں کیا گیا۔ غزوۂ بدر نے یہ سبق اچھی طرح دے دیا کہ اہل ایمان کے کسی کے ساتھ جڑنے یا کسی سے الگ ہونے کا معیار لوگوں کا عقیدہ ہے نہ کہ خون یا وطن۔

۳ غزوۂ بدر میں قریش اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ اس شخص نے ہمارے قبیلہ میں خونی رشتوں کو توڑ کر بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی لئے وہ یہ دعا کر کے جنگ میں شامل ہوئے کہ' اے اللہ' جو شخص قطع رحم کرنے والا اور ہمارے دین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے والا ہے اس کو ہلاک کر'۔ وہ اپنے حق پر ہونے کے زعم میں جنگ کے نتیجہ کو خود بڑی اہمیت دیتے رہے اور یہ اعلان کرتے رہے کہ اس میں فتحیاب ہونے والا گروہ حق پر سمجھا جائے گا۔ جب یہ جنگ فیصلہ کن ہو گئی تو قرآن نے ان سے ان کے اپنے اعلان کی روشنی میں جنگ کے فیصلہ کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ فرمایا۔

ان تستفتحوا فقدجاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیرلکم وان تعودوا نعدولن تغنی عنکم فئتکم شیاء ولو کثرت وان اللہ مع المومنین (انفال ۱۹)

"اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے سامنے فیصلہ آ گیا۔ اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے"۔

۳ غزوہ کے ہر ہر مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کی نصرت کی وہ شانیں ظاہر ہوئیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اہل ایمان نے اپنے ساتھ فرشتوں کی مدد محسوس کی اور اس سے حوصلہ پایا۔ مشرکین نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان کا مقابلہ کچھ غیر مرئی طاقتوں سے بھی ہے۔ اسی لئے ان کے اعصاب جواب دے گئے اور طاقت کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ مسلمان جس طرح چاہتے ان کو قتل کرتے اور جس کو چاہتے اسیر بنا لیتے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ دارالندوہ میں جن قریشی سرداروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی اسکیم تیار کی تھی ان میں سے تین کو چھوڑ کر باقی سب جنگ بدر میں مارے گئے۔ ان تین کو بعد کے مراحل میں اسلام کی توفیق ملی۔

غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل:

جنگ بدر قریش کے لئے ایک تازیانۂ عذاب تھی جو اللہ کے رسول کی تکذیب کے نتیجہ میں ان پر برسا تھا۔ البتہ اس کی نوعیت ایسی نہیں بنائی گئی کہ تمام مشرکین تباہ ہو جاتے بلکہ اس کو ان کی آنکھیں کھولنے کا ذریعہ بنایا گیا تاکہ ان کے تمام باصلاحیت لوگ دین اسلام کی طرف آسکیں۔ چنانچہ فرمایا گیا

قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف وان یعودوا فقد مضت سنت الاولین (انفال ۳۸)

"ان کفر کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر یہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر یہی کریں گے تو اگلوں کے باب میں سنت الٰہی گزر چکی ہے"

مطلب یہ ہے کہ اگر قریش اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو یاد رکھیں کہ وہ بالآخر اس سنت الٰہی سے دوچار ہوں گے جو رسولوں کی تکذیب کرنے والی پچھلی قوموں ــــ عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ ــــ پر تباہ کن عذاب کی صورت میں ظاہر ہو چکی ہے۔ رسول کسی نابنجار قوم پر اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جو قوم رسول کی تکذیب کر دیتی ہے خدا کی زمین پر اس کا وجود برداشت نہیں کیا جاتا۔

جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کو جو لائحہ عمل دیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ قریش اور ان کے اعوان و انصار سے جنگ جاری رکھیں یہاں تک کہ سرزمین عرب سے مسلمانوں کو بجبر و ظلم دین حق سے روکنے کے فتنہ کا کلی استیصال ہو جائے اور کسی کے لئے اس کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے کہ وہ کسی مسلمان کو اسلام لانے کی بنا پر ستا سکے یا کسی کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن سکے۔ اس جدوجہد کا مقصود یہ تھا کہ سرزمین حرم پر اللہ کے دین اسلام کے سوا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا، کوئی دوسرا دین باقی نہ رہ جائے اور اللہ کے گھر سے اس کے ان متولیوں کو بے دخل کر دیا جائے جنہوں نے اس گھر کے تمام مقاصد برباد کر کے اس کو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا۔ چنانچہ فرمایا:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر (انفال ۳۹)

"ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو اللہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کو دیکھ رہا ہے"

اس آیت سے اس بات کا صاف اشارہ نکلتا ہے کہ اگر مشرکین نے اپنی روش کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ ان کی ماضی کی غلطیوں کو نہیں دیکھے گا بلکہ ان کے مستقبل کے اعمال کو دیکھے گا۔ لیکن اگر یہ اپنی ضد اور ہٹ پر جمے رہے تو ان کی کثرت تعداد اور سرو سامان کی بہتات ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ خدا نے جس طرح اس جنگ میں اپنی شانیں دکھائی ہیں اسی طرح آئندہ بھی وہ اپنی شانیں دکھائے گا۔

اس لائحہ عمل پر کامیابی سے گامزن رکھنے کے لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ضروری ہدایات بھی دی جائیں۔ چنانچہ جنگ بدر کے بعد حسب ذیل احکام نازل ہوئے۔

۱ آئندہ کے لئے قابل جنگ مسلمانوں کو منظم اور گھوڑوں کی تربیت کی جائے تاکہ ان کی مدد سے موثر جنگ لڑی جا سکے۔ مسلمانوں کی فوجی قوت ایسی ہو کہ دشمن ان کو نرم چارہ سمجھ کر حملہ کی جرات نہ کریں۔

۲ مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کر لیں گے تو اپنے سے بڑے لشکروں کے مقابلہ میں بھی یہی کامیاب ہوں گے۔

۳ جب دشمن سے مقابلہ منظم فوج کشی کی صورت میں ہو تو میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے کا جرم کفر و ارتداد کی مانند سنگین ہوتا ہے۔ پیٹھ دکھانے والے خدا کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۴ مسلمان دنیا میں خدا کی بندگی و اطاعت کی رسم قائم کرنے کے لئے اٹھے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ بندگی کی تواضع اور عبدیت کی فروتنی ان پر ہر حال میں نمایاں رہے۔ جنگ کے لئے نکلنے میں بھی یہ بدمست اور مغرور ہو کر اپنی قوت کی نمائش کرتے ہوئے میدان جنگ میں نہ آئیں۔ انہیں کبھی اپنی کثرت تعداد اور وسائل پر ناز نہ ہو۔ اصل قوت سرو سامان میں نہیں بلکہ خدا کی کارسازی اور اس کی معیت میں ہے۔

۵ جنگ میں مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اللہ کی نصرت حاصل کرنے کے لئے شرط ضروری ہے، اس لئے کہ جب بندے اپنی پوری صلاحیت لڑائی میں جھونک دیتے ہیں تو اللہ کی نصرت اس کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنا فرض ادا نہ کریں تو اللہ کی نصرت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

۶ جنگ کے دوران اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ میدان میں ثابت قدمی حاصل کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ مومن کے اندر عزم اور حوصلہ کا سرچشمہ ذکر الٰہی ہے۔ اسی سے وہ ایمان پیدا ہوتا ہے جو دل کی مضبوطی کا باعث ہے۔

۷ احکام پر عمل کرنے میں اختلاف رائے بے حد نقصان دہ چیز ہے۔ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں فوج کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور ہوا اکھڑ جاتی ہے۔

۸ مومن کا بھروسہ اپنے قوت بازو پر نہیں بلکہ خدا پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت ناقابل شکست ہے۔ اس کی تدبیر کے مقابل میں کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ لہٰذا اہل ایمان اسی پر اعتماد رکھتے ہیں اور وہ بھی اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کا ساتھی بن جاتا ہے۔

۹ کسی مرحلہ میں قریش اگر صلح کے خواہاں ہوں تو ان کی پیشکش ٹھکرائی نہ جائے۔ اگر وہ یہ صلح دھوکہ دہی یا شرارت کی غرض سے کریں گے تو یاد رکھیں کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ ان کی مکاریوں کا توڑ کرنے کے لئے کافی ہے۔

یہ تمام ہدایات سورہ انفال میں دی گئیں۔ ان میں اسلامی قانون جنگ کی ضروری دفعات آگئی ہیں۔ ان میں اگر کوئی کسر رہ گئی تو بعد میں پیش آنے والی جنگوں میں مسلمانوں کی کارکردگی پر تبصرہ میں اس کو بھی پورا کر دیا گیا۔

تبصرۂ کتب

خالد مسعود

آسان ترجمۂ قرآن مجید

ترتیب: حافظ نذر احمد

شائع کردہ: مسلم اکادمی۔ ۱۸/۲۹ محمد نگر، لاہور

قرآن مجید کا یہ ترجمہ عربی نہ جاننے والوں کو قرآن کی تعلیم دینے کی ایک کاوش ہے۔ دو سطروں میں آیات کے مفرد الفاظ اور ان کے معنی الگ الگ دیئے گئے ہیں اور ایک سطر میں رواں ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس ترجمہ کو مختلف مسالک کے علماء کو دکھایا گیا ہے تاکہ یہ ہر مکتب فکر کے نزدیک قابل قبول ہو۔ یہ ترجمہ جدا جدا تیس پاروں کے سیٹ کی صورت میں شائع ہوا ہے اور دس دس پاروں کی تین جلدوں میں بھی ملتا ہے۔

ایک منٹ کا مدرسہ

مؤلف: حکیم محمد اختر

ناشر: مکتبہ اصلاح و تبلیغ ہیرآباد حیدرآباد (سندھ)

تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ شاہ ابرارالحق صاحب کے افادات پر مبنی ہے اور عوام الناس کو دین کی بنیادی باتیں بتانے کے لئے ۱۴۰ اسباق پر مشتمل ہے۔ ہر سبق میں نماز کے کسی لفظ کا ترجمہ اور نماز، طہارت وغیرہ کی کوئی سنت بتائی گئی ہے۔ نیز ایک ایک گناہ کے نقصانات اور طاعت و عبادت کے فوائد پر ایک دو جملوں میں توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ ایک بات ایک ہی مرتبہ بیان ہو۔ اس لئے تکرار کافی ہے۔ حیرت ہے کہ گناہوں پر متنبہ کرنے والی اس کتاب میں شرک یا مظاہر شرک کا کہیں تذکرہ نہیں ہے اسی طرح سنت کے تحت وہ باتیں درج کی گئی ہیں جن کا تعلق فقہی موشگافیوں سے ہے۔

مجالس مسیح الامت

ناشر: مکتبہ اصلاح و تبلیغ مارکیٹ ٹاور حیدر آباد (سندھ)

یہ کتاب شاہ محمد مسیح اللہ خان شیروانی کے ملفوظات کا ریکارڈ ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے اپنے مریدین کی تربیت کے لئے علم ذکر، تقویٰ وغیرہ کے موضوعات پر مجالس میں جو کچھ بیان کیا اس کو قلمبند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا انداز گفتگو کا ہے۔ مرتبین کے نزدیک یہ اپنے زمانہ کے مامور مصلح کا کلام ہے جو قطب الارشاد کے مقام پر فائز ہیں اور بالہام والقائے ربانی اس دور کے روحانی امراض کا نام علاج کرتے ہیں۔ مریدین کو جو نصیحتیں کی گئی ہیں وہ اس طرح کی ہیں جن کی ضرورت تصوف سیکھنے کے لئے سالکین کو ہوتی ہے۔ تصوف و سلوک میں دلچسپی رکھنے والے لوگ کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کتاب کے صفحات ۳۶۶ ہیں قیمت درج نہیں۔

بقیہ: ایمان کے اثرات

ب۔ یاایھاالذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا (الحجرات ۶)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو"۔

خبر کی تحقیق ایک پہلو دار کام ہے۔ خبر کی نوعیت کیا ہے، اس کے سچ ہونے کا امکان ہے یا نہیں، مخبر کس کردار کا آدمی ہے، اس خبر سے اس کی اپنی کوئی غرض تو وابستہ نہیں، خبر کی اشاعت کی صورت میں اس کے اثرات کیا ہوں گے، وغیرہ۔ اگر فعل تبینوا کا مفعول کسی لفظ سے ظاہر کیا جاتا تو اس لفظ کے مطابق جملے کا مفہوم محدود ہو جاتا اور تحقیق کا دائرہ بھی بے حد محدود ہو جاتا۔ مفعول کو حذف کر کے تحقیق کی تمام شقیں کھلی رکھی ہیں۔ اس طرح کے حذف کو کھولنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ موقع و محل کا لحاظ رکھ کر ہی الفاظ مقدر مانے جائیں۔ سیاق کلام سے ہٹ کر کوئی چیز فرض کر لینے سے بات کے اصل ہدف سے دور ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

تالیفات امام حمید الدین فراہی

	روپے پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	۱۷۶-۰۰
۲۔ اقسام القرآن	۸-۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۸-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

۱۔ تدبر قرآن: (مکمل سیٹ: ۹ جلد)	۱۵۸۴-۰۰
: فی جلد	۱۷۶-۰۰
۲۔ مبادی تدبر قرآن	۵۲-۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	۳۶-۰۰
۴۔ اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۳۶-۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۶-۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸-۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱-۰۰
۹۔ تزکیۂ نفس: جلد اول	۶۰-۰۰
: جلد دوم	۵۲-۰۰
۱۰۔ مبادی تدبر حدیث	۳۶-۰۰
۱۱۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	۵۷-۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۶۳-۰۰
۱۳۔ حقیقت شرک و توحید	۶۸-۰۰
۱۴۔ حقیقت نماز	۲۴-۰۰
۱۵۔ حقیقت تقویٰ	۲۴-۰۰
۱۶۔ مقالات اصلاحی: جلد اول	۷۶-۰۰
۱۷۔ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۵۶-۰۰
۱۸۔ تفہیم دین	۵۳-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ لاہور — ۵۴۶۰۰ - پاکستان۔ فون: ۷۸۳۳۴۷۷